تقطیع کے سو صفحون مین سودا کی غزلون کا انتخاب کیا ہے، اور شروع مین نواب جعفر علی خان صاحب اثر نے سودا کے سوانح اور کلام پر پچاس صفحون مین تبصرہ کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے دیوانون کے خرمن سے چند گران قیمت دانون کو چنکر اٹھانا بڑا مشکل کام ہے، حالانکہ ہر گو شاعرون کے فضل و کمال کا جوہر جو اس انبار مین چھپ کر گم ہو جاتا ہے، اُس کا اندازہ انھین منتخب دانون لگایا جاسکتا ہے، ورنہ رطب و یابس مین ہر نظر اصلیت کا پتہ نہین لگا سکتی، اس لحاظ سے ناقد کا یہ کام ہماری شکرگذاری کا مستحق ہے، نواب اثر کا مقدمہ بھی اپنے اختصار کے باوجود دلچسپ ہے، قیمت نامعلوم، ملنے کا پتہ کتبۂ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

فہرست کتبخانۂ مشرقی پٹنہ مولفہ مولوی عبد المقتدر صاحب، شایع کردہ گورنمنٹ پریس پٹنہ، پتہ:- سپرنٹنڈنٹ صاحب گورنمنٹ پریس پٹنہ،

یہ جلد ابھی چھپ کر شایع ہوئی ہے، یہ سلسلہ کی سترہوین جلد ہے، اسمین متفرق مضامین فارسی قلمی رسائل کا حال درج ہے، مولوی عبد المقتدر صاحب کتبخانہ مذکور کے فارسی فہرست نویس کی تحقیقات کا نتیجہ ہے، مولوی صاحب نے اس سلسلہ فہرست کی ترتیب و تدوین و تحقیق مین جو محنت اور کاوش کی ہے، اُس کی داد اکثر مشرقی اور مغربی فاضلون نے وقتاً فوقتاً دی ہے، یہ مجموعہ گو چھوٹے چھوٹے رسالون کی فہرست پر مشتمل ہے، تاہم ایسے بے نام کے مختصر رسالون کی کیفیت، اور ان کے مصنفون کا پتہ لگانا بہت ہی مشکل کام تھا مولوی صاحب نے جہان تک ممکن تھا اس کام کو خوبی اور محنت سے انجام دیا ہے،

"س"

...ششم	ماہ رجب المرجب ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء	عدد ششم

مضامین

شذرات

ماہ رواں ہندوستان مین علمی و تعلیمی مجلسون کے لیے کچھ مخصوص سا ہوگیا، پٹنہ مین مشرقی علوم و فنون (آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس) اسناد تاریخی کی مجلس (ہسٹاریکل ریکارڈ کانفرنس) کے کامیاب اجلاس ہوئے، کانفرنس کی تاریخین ۲۰، ۲۱، ۲۲ [illegible] اور مجلس اسناد تاریخی کی تاریخ ۲۲، ۲۳ دسمبر تھین، آل ایشیا ایجوکیشنل کانفرنس (ایشیا کی تعلیمی انجمن) اور اسلامی تعلیمی کانفرنس مہینہ کے آخر مین بنارس مین منعقد ہونگی، پاٹلی پتر (پٹنہ) بنارس دونون بودھ تعلیم کے مرکز ہین، اور اسلیے باہم مدت دراز سے قرب کی نسبت رکھتے ہین،

پٹنہ، دہلی، لکھنؤ و جونپور کے بعد اسلامی مشرقی علوم کا چوتھا گہوارہ ہے، اور شاہجہان کے [illegible] کی آخری مدت ہے، اس لیے [illegible] ہی ہوئی کہ امسال مشرقی کانفرنس کے چھٹے اجلاس کے [illegible] کے صیغہ مین خاصی چہل پہل رہی، عربی اور فارسی اور اردو کی مجلسین اور اجلاس [illegible] اور اس کامیابی کا تعلق جہان شہر عظیم آباد (پٹنہ) کی عظیم الشان گذشتہ تاریخی اہمیت سے ہے وہان جناب مولوی ریاض حسن خان صاحب دانش و خیال، نائب صدر مجلس استقبالی کی دانش پژوہی اور خوش سلیقگی سے بھی ہے،

امسال عربی و فارسی کے صیغہ مین اکیس مضامین تھے، اور یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ علوم و فنون قدیمہ کے پرانے خادم (علماء) اپنی پرانی وضعون مین اور ان علوم و آداب کے نئے خدام (ڈاکٹران علوم مشرقیہ) اپنی نئی شان مین پہلو بہ پہلو بیٹھکر داد تحقیق دے رہے تھے، اور اس طرح ان دونون جماعتون کی باہمی وحشت و تنافر کے جذبات کم ہو رہے تھے،

عربی فارسی کے صیغہ کے صدر شمس العلماء مولوی ہدایت حسین صاحب (مدرسہ عالیہ کلکتہ) اور ارکان مین پروفیسر محمد شفیع صاحب ایم اے (لاہور یونیورسٹی) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (الہ آباد یونیورسٹی) ڈاکٹر زبیر صدیقی (کلکتہ یونیورسٹی) ڈاکٹر مرزا (لکھنؤ یونیورسٹی) پروفیسر عندلیب شادانی ایم اے (ڈھاکہ یونیورسٹی) ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر نظام الدین (حیدرآباد یونیورسٹی) ڈاکٹر عظیم الدین (پٹنہ یونیورسٹی) مولانا عبدالعزیز صاحب میمن (مسلم یونیورسٹی) مولانا عبدالرحمن صاحب (دہلی یونیورسٹی) مولانا عبدالسبحان صاحب (مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ) مولانا سید مظفر الدین ندوی ایم اے (اسلامیہ کالج کلکتہ) ہنگرین فاضل مشرقیات ڈاکٹر گرمانوس (شانتی نکیتن بولپور) اور سید سلیمان ندوی (دارالمصنفین) کے نام اسوقت مستحضر ہین،

اردو صیغہ مین ڈاکٹر صلاح الدین خدابخش صدر، اور ارکان مین مولوی عبدالحق صاحب ناظم انجمن ترقی اردو و پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی) اور قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر ممتاز افراد تھے، صدر کا خطبہ گو انگریزی مین تھا مگر اردو کی تاریخ کا اچھا خلاصہ تھا، اور خصوصاً اس تاریخ مین عظیم آباد کو جو مناسب حصہ دیا گیا تھا، وہ گذشتہ مورخین ادب اردو کی تلافی مافات کے لیے ضروری تھا، قاضی عبدالودود صاحب نے مصحفی پر ایک مبسوط تبصرہ اردو مین لکھا تھا، سعید الحق دسنوی طالب العلم بی اے پٹنہ کالج نے "اردو کے موجودہ رجحانات" پر دلپسند مضمون پڑھا،

مجلس اسناد تاریخی (ہسٹاریکل ریکارڈ سوسائٹی) کے صدر امسال مشہور بنگالی مورخ سر جدو ناتھ سرکار تھے، ممبرون مین ڈاکٹر سنہا (ڈھاکہ یونیورسٹی) سر کانٹن، اور مولوی عبدالعلی صاحب وغیرہ تھے، سر کانٹن کا مضمون عجیب تھا، یعنی "پٹنہ مین انگریزون کا قتل عام" اس دردناک سانحہ کی تاریخ موجودہ زمانہ مین بالکل غیر مناسب تھی، کیا کوئی ہندوستانی مورخ ایسا نہ تھا جو صوبہ بہار کے حصول کی ناروا انگریزی کوششون کا راز طشت از بام کرتا، اس مجلس مین مسلمانون کی شرکت کی کمی عام طور سے محسوس کیجارہی تھی، ہمارے مسلمان پروفیسرون اور مورخون کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس مجلس کے ذریعہ

ہندوستان کی تاریخ کا ایک نیا قالب ڈھالا جارہا ہے، حیف ہے اگر مسلمان اسکی صورتگری سے غافل رہے اون کی آنکھیں اس وقت کھلینگی جب تاریخ اپنی شکل بدل چکی ہوگی، اور مفروضات واقعات بن چکے ہونگے،

—— ✻ ——

پٹنہ کے قابل دید مقامات مین پاٹلی پتر یعنی قدیم بودہ پٹنہ کے کھنڈر، نلندہ یعنی قدیم بودہ خانقاہ و درسگاہ، آزجگیر قدیم بودہ راجدھانی، پٹنہ عجائب خانہ، خدابخش خان مرحوم کا کتبخانہ، رادھاکشن جالان کا قلعہ گھر، اور مسٹر مانک کا تصویر خانہ، رادھاکشن جالان ایک مارواڑی ہین، مگر قدیم نوادر کا انکو عشق ہو گیا ہے، گنگا کنارے اُن کا وہ نیا خرید کیا ہوا مکان ہے جو پہلے کبھی کسی مسلمان رئیس کی ملکیت تھا، اس مکان مین قدیم اور قلمی زرافشان کتابون، پرانے ایرانی قالین، پرانے چینی کے برتن، شاہی تصاویر، اور مغلون اور مغلون سے پہلے کے چاندی سونے کے سکے ہین، ان مین سب سے عجیب چیز دو صد مہری شاہجہانی اشرفی ہے جو موجودہ چہرا اس کے برابر ہے، اور گول ہے اور نہایت خوشخط حرفون مین دو صد مہری اور بادشاہ کا نام لکھا ہے، یہ سکہ دو سو روپیے کے برابر ہوتا تھا، اور تاریخون مین اسکا ذکر پڑھا تھا، کئی ایک قرآن مجید، مثنوی مولوی روم، دیوان حافظ وغیرہ کے خوشخط زرافشان نسخے تھے، ہندوؤن کے عہد کی بعض قدیم کتابین تاڑ کے پتون پر لکھی ہوئی تھین،

—— ✻ ——

ایک صاحب محمد احمد علی مرگوئی (برہما) سے اطلاع دیتے ہین کہ وہان ایک انجنیر صاحب محمد الدین صاحب نامی نے اردو نستعلیق کا نہایت عمدہ، خوشخط، خوشنما، اور ساتھ ہی اپنی ترکیب اور ملاوٹ (کمپوزیشن) مین نہایت آسان ٹائپ بنایا ہے اور سب بڑھکر انکا دعویٰ یہ ہے کہ اس مین حروف اور اُن کے جوڑون کی تعداد صرف ایک سو بیس ۱۲۰ ہے جس مین، زبر، زیر، تشدید وغیرہ بھی داخل ہین، افسوس کہ محمد احمد علی صاحب نے نمونہ نہین بھیجا ورنہ عینی شہادت ممکن تھی، بہرحال اس سماعی بیان کی مزید تحقیق جو صاحب مناسب سمجھین، اور اس ایجاد کو تجارتی اصول پر خریدنا چاہین وہ انگریزی مین محمد دین سول انجنیر، نزدیک پوسٹ آفس مرگوئی (برما) MERGUI پتہ لکھکر دریافت فرمائین،

مقالات

ہندوستان آٹھوین صدی ہجری مین

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دارالمصنفین

ابو العباس احمد قلقشندی (متوفی ۸۲۱ھ) کی مشہور کتاب صبح الاعشیٰ عربی علم ادب مین لازوال شہرت رکھتی ہے، اس کا موضوع فن انشاء ہے، لیکن اس انشاء سے مقصود انشا پردازی نہین ہے جیسا کہ اب سمجھا جاتا ہے، بلکہ اُس مجموعۂ علم وفن سے مقصد ہے جس کی واقفیت ایک شاہی سکریٹری کے فرائض بجالانے کے لیے ضروری ہے، اور اس لیے مصنف نے اہل انشاء کی عام علمی وعملی ضروریات کے اقتضاء کے لحاظ سے اس کتاب کی ترتیب وتدوین مین ایک ایسا وسیع راستہ اختیار کیا، جس کے بدولت اسکی یہ تصنیف نہ صرف فن ادب کا ایک گرانمایہ تحفہ بنی، بلکہ مختلف علوم وفنون کا بھی ایک دلآویز مجموعہ بنگئی ہے، یہ کتاب تاریخ وسیر بھی ہے، اور لغت وادب بھی، تفسیر وحدیث بھی ہے، اور فقہ وافتا بھی، عالم اسلامی کا جغرافیہ بھی ہے، اور اسلام کی تمدنی ترقیون کا حقیقی آئینہ بھی، فن انشاء کے اصول وقوانین، مختلف ممالک اسلامی مین اس کے مختلف حالات وکیفیات، زبان عربی کی تمام خصوصیات اور عہد جاہلیت سے آٹھوین صدی ہجری تک تمام عالم اسلامی مین اسکی تدریجی نشر واشاعت، دیوان انشاء کا قیام اور اسی مناسبت سے خلافت اسلامیہ کا تعارف، خلافت کے اصول وشرائط، خلفاے اسلام کے مفصل

حالات، تمام عالم اسلامی مین انکا نفوذ و اثر، اور پھر اسی ضمن مین مشرق و مغرب کے تمام ممالک اسلامیہ کے جغرافی حدود، ان کی حکومتون کا اجمالی تذکرہ، اور خصوصاً مختلف ممالک کے تہذیب و تمدن، معاشرت اور عام طرز بود و ماند کے حالات نہایت اختصار اور جامعیت سے مرتب کئے گئے ہین،

اس لیے یہ کتاب کیا ہے گویا ایک بحر ذخار ہے، اگر موقع ملا تو کبھی تفصیل سے اس کا مفصل تذکرہ معارف مین پیش ہوگا، لیکن سردست ہمین اس موقع پر اس کے اُس ٹکڑے کو سامنے لانا ہے، جہان اُسمین ممالک اسلامیہ کے ذیل مین ہندوستان کے عام حالات بیان کئے گئے ہین،

صبح الاعشیٰ کا مصنف قلقشندی مصر کا رہنے والا تھا، اور یہین دیوان انشا کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا، ۷۵۶ھ مین قلقشندہ (ولایت مصر) مین پیدا ہوا، اور ۷۷۰ھ سے اسکی علمی و عملی زندگی کا آغاز ہوا، ۷۹۱ھ سے دیوان انشا مصر سے متوسل ہوا، اور اسی عہد مین اس نے صبح الاعشیٰ کی تالیف کی ابتدا کی، اور ۸۱۴ھ مین اس سے فارغ ہو گیا،

اس لئے قلقشندی نے ممالک اسلامیہ کے ذیل مین ہندوستان کے جو حالات فراہم کئے ہین وہ دراصل آٹھوین صدی ہجری سے متعلق ہین، ہندوستان کے یہ حالات یہان کی کوئی مرتب تاریخ کی صورت مین نہین ہین بلکہ اس نے سرزمین ہند کا نقشہ کھینچکر اس کے ایسے خط و خال نمایان کئے ہین کہ آٹھوین صدی کے ہند کا صحیح آئینہ بنگیا، جس مین اس کے عام تہذیب و تمدن و معاشرت کا پتہ چلتا ہے، اور ہندوستان کی اسلامی حکومت کے نظام و طریق حکومت کا ایک ایسا خاکہ کھینچ گیا ہے، جو ہندوستان کی عام فارسی تاریخون مین اس مرتب شکل مین نظر نہین آتا،

اس لیے قدرتی طور پر ہندوستان کے ان حالات کے متعلق قلقشندی کے دو ماخذ ہین، ایک عرب سیاحون کے جغرافیہ کی کتابین اور دوسرے ہندوستان کے بعض ایسے اہل علم کے بیانات، جو اُن ممالک اسلامی تک پہنچے تھے، ہندوستان کے اہل علم مین سے شیخ مبارک بن محمود الانباتی (کھمباتی) اور شیخ عبد الرحمن الریان الہندی وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہین، یہ وہ زمانہ تھا جب محمد تغلق نے مصر کے عباسی خلفاء کی بیعت کر لی تھی،

اور اس تعلق سے مصر و ہند مین گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے،

قلقشندی نے ہندوستان کے اس تذکرہ مین اولاً یہان کا مفصل جغرافیہ دیا ہے، اس ضمن مین یہان کے شہرون خصوصاً پایہ تخت دہلی کے حالات نہایت دلچسپ ہین، پھر ہندوستان کے اقتصادی مباحث ہین، اس مین یہان کی عام پیداوار، حیوانات، صنعت و حرفت، اور تجارت وغیرہ کے تذکرہ کے ساتھ یہان کے سکے اور نرخ وغیرہ کو تفصیل سے درج کیا ہے، پھر سلاطین اسلام کا ذکر ہے، اور محمد بن تغلق شاہ کا تذکرہ کرکے اُس کے عہد کے مفصل نظام حکومت کو پیش کیا ہے، اور خصوصیت کے ساتھ اسی کے طرز حکومت اور لوازم شاہی کو تفصیل سے دکھایا ہے،

ہندوستان کے ان حالات کا آغاز "القطر الرابع" سے شروع کرتا ہے، اولاً ہند کا اجمالی تعارف عرب جغرافیہ نویسون صاحب مسالک الابصار، اور صاحب تحفۃ الالباب محمد بن عبد الرحیم اندلسی وغیرہ کے ان اقتباسات سے کرایا ہے، اور پھر شیخ محمد بن محمود انباتی کا بیان پیش کیا ہے، سب سے پہلے صاحب مسالک الابصار کا بیان پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"ہندوستان ایک عظیم الشان مملکت ہے، اس کے حدود کی وسعت، دولت و ثروت کی بہتات، اور فرمانروایان ہند کا جاہ و حشم، شان و شوکت، لاؤ لشکر، اور خدم و حشم تمام روئے زمین مین یکتا و یگانہ ہے، یہی وہ خطۂ ارض ہے، جس کے سمندر موتیون سے بھرے ہوئے، طبقات زمین سونے کی کانون سے پٹے ہوئے، پہاڑ، یاقوت و الماس سے مالا مال، وادیان عود و کافور سے بھرپور، اور جنگل ہاتھی اور گینڈے سے بسے ہوئے ہین، یہین کی ہندی تلوارین اپنی آبداری مین روز ازل سے مشہور ہین، اور پھر نرخ کی ارزانی، لشکر کی غیر محدود تعداد، اور باشندگان ہند کا علم و حکمت اور دانائی و فرزانگی تعارف سے مستغنی ہے،"

قلقشندی نے ہندوستان کو دو اقلیمون، اقلیم سندھ اور ہند مین تقسیم کیا ہے، پہلے اقلیم سندھ کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

اقلیم سندھ اقلیم سندھ کے حدود اربعہ یہ ہین،

مغرب مین حدودِ کرمان اور صحراے سجستان، جنوب مین صحراے مابین کرمان وبحر ہند، مشرق مین بحر فارس اور شمال مین حدود ہند،

منصورہ پایۂ تخت سندھ سندھ کا پایۂ تخت منصورہ ہے، یہ سندھ کا مشہور ترین شہر ہے، اس کا قدیم نام "منہور" ہے، منصورہ کی وجہ تسمیہ مختلف بیان کیجاتی ہے، بعض لوگون کا بیان ہے کہ جب اسلامی لشکر یہان داخل ہوا تو سپہ سالار کی زبان سے "نُصرنا" نکلا اور پھر اسی لفظ سے "منصور" اور منصور سے "منصورہ" نام پڑگیا، لیکن مہلّبی کی روایت اس سے بالکل جداگانہ ہے، یعنی یہ کوئی قدیم شہر نہین بلکہ خلیفۂ عباسی المنصور کے عہد مین عمر بن حفص الموصوف بہزار مرد نے اس کو آباد کیا، اور اسی نے خلیفۂ وقت کے نام سے اسکو موسوم کیا، لیکن مؤخر الذکر روایت صحیح نہین ہے، مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور ان کی تحقیق سے یہ بنی امیہ کے زمانہ مین محمد بن قاسم کے لڑکے عمرو کے ہاتھون تعمیر پاچکا تھا، (تفصیل کیلیے دیکھو عرب و ہند صفحہ ۳۴۴)

یہ نہایت عظیم الشان شہر ہے، طول بلدہ، درجہ ۳۰ دقیقہ اور عرض ۲۴ درجہ ۴۲ دقیقہ ہے، دریاے مہران کی خلیج اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، جس سے ایک جزیرہ کی شکل پیدا ہوگئی ہے، یہان کی آب و ہوا نہایت گرم ہے، درخت بہت کم اوگتے ہین، صرف کھجور اور گنّے وغیرہ کی پیداوار ہے، یہان سیب کے مانند ایک پھل نہایت ترش ہوتا ہے جو "الیمومہ" کہا جاتا ہے،

سندھ کے شہر اقلیم سندھ مین چند شہر خاص امتیاز رکھتے ہین، اور وہی قابلِ ذکر ہین، ان مین زیادہ شہرت دیبل، بیرون، سدوسان، ملتان اور آزور وغیرہ کو حاصل ہے، **دیبل** (ٹھٹھہ) منصورہ سے ۶ منزل پر واقع ہے، شہر کچھ زیادہ بڑا نہین، گرمی سخت پڑتی ہے، بصرہ وغیرہ سے اس کے تجارتی تعلقات قائم ہین، بصرہ سے کھجورین آتی ہین، اور یہان سے "متاع دیبل" بھیجی جاتی ہے، تل وغیرہ کی پیداوار

زیادہ ہے، **بیرون**، یہ دیبل اور منصورہ کے درمیان مین ہے، یہان مسلمانون کی خالص آبادی ہے، ابوریحان بیرونی صاحب کتاب الہند اسی طرف شرفِ انتساب رکھتا ہے، لیکن قلقشندی کا یہ بیان صحیح نہین ہے، یہ شہر بیرون نہین، نیرون ہے، مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "عرب و ہند" مین یہ تحقیق کی ہے (عرب و ہند ص ۲۹۹) الفنسٹن صاحب کی تحقیق کے رو سے حیدر آباد سندھ کا قدیم نام نیرون تھا، ابوریحان بیرونی ہندی نہین، خوارزمی تھا، البیرونی کا یہ انتساب خوارزم کے "بیرونی تعلق" کو ظاہر کرتا ہے، سمعانی اپنی کتاب الانساب مین لکھتا ہے،

هذه النسبة الى خارج خوارزم فان بها من يكون من خارج البلد ولا يكون من نفسها يقال له فلان بيرونى يقال فلان بيرونى ست والمشهور بهذه النسبة ابى ريحان المنجم البيرونى (ورق ۹۰)

یہ نسبت خارج خوارزم کی طرف ہے، وہان جو شخص شہر سے باہر رہتا ہو، اور اندرون شہر کا نہ ہو اس لیے کہا جاتا ہے کہ "یہ بیرونی ہے" یعنی فلان بیرونی است، اور ابوریحان منجم بیرونی اسی طرف منسوب ہے،

سدوسان، یہ دریاے مہران کے مغرب مین نہایت خوبصورت شہر ہے، مضافات مین اچھے اچھے گاؤن آباد ہین، **مولتان**، اکثر کتابون مین واؤ کے ساتھ "مولتان" لکھا ہوا ہے، اور بعض لوگ "ملتان" بھی لکھتے ہین، اسکو ابوریحان بیرونی نے سندھ مین اور ابن حوقل نے ہند مین شمار کیا ہے، یہ منصورہ سے چھوٹا شہر ہے، ملتان کے ماتحت ایک لاکھ چھبیس ہزار قریے آباد ہین، اس کے ایک طرف مکران کی سرحد ہے اور دوسری طرف منصورہ کی سرحد، اس کے اور غزنی کے درمیان صرف ۸۰ فرسخ کا فاصلہ ہے، **ازور**، یہ تقریبًا ملتان ہی کے برابر شہر ہے، اس مین دو شہر پناہ قائم ہین، دریاے مہران پر واقع ہے، اسکی آبادی خالص اسلامی ہے، منصورہ کے ماتحت ہے، دونون کے درمیان ۳۰ فرسخ کا فاصلہ ہے، غالبًا اس کا صحیح نام الور ہے، اور عربون نے کہین اسکو الرور بھی لکھا ہے، (دیکھو عرب و ہند کے تعلقات)

اسی طرح اقلیم سندھ مین چند دوسرے مشہور شہر مکران، تیز، طوران، اور بدھ وغیرہ ہین جن کے مفصل حالات صاحب صبح الاعشیٰ نے تفصیل سے لکھے ہین،

اقلیم ہند اقلیم دوم، اقلیم ہند ہے، تقویم البلدان مین اس کے حدود اربعہ یہ ہین، مغرب مین بحر فارس جنوب مین بحر ہند، مشرق مین صحرائے مابین ہند و چین، تقویم البلدان مین اسکی شمالی سرحد مذکور نہین، لیکن مسالک الابصار مین اس کے شمال مین بلاد ترکستان کو بتایا گیا ہے،

دریا یہان چھوٹے بڑے تقریبًا ایک ہزار دریا ہون گے، جنمین سے بعض دریائے نیل کے برابر وسیع ہین اور بعض اس سے چھوٹے ہین، یہان کے بڑے بڑے شہر بالعموم کسی دریا کے ساحل پر آباد ہین،

آب و ہوا یہان کی آب و ہوا اور موسم نہایت معتدل ہے، نہ زیادہ سرد ہے، نہ زیادہ گرم، بلکہ اس کا ہر ایک موسم گویا فصل بہار ہے، ہمیشہ نہایت لطیف اور خوشگوار ہوا کے جھونکے آتے رہتے ہین، چار مہینے مسلسل بارش ہوتی ہے، جو بالعموم موسم گرما کے بعد اس کے آخر مین شروع ہو جاتی ہے،

پایۂ تخت حکومت ہند کے دو پایۂ تخت ہین، ان مین سے پہلا پایۂ تخت دلی ہے، اور دوسرا دواگیر، (دیوگر دکن جہان محمد تغلق نے اپنے زمانہ مین پایۂ تخت کو منتقل کیا تھا) **دلی** ہندوستان کا پہلا پایۂ تخت ہے، اسکو دہلی بھی کہتے ہین، یہ ہفت اقلیم مین سے اقلیم چہارم مین واقع ہے، طول بلد ۲۸ درجہ اور ۵۰ دقیقہ، اور عرض ۳۵ درجہ ۵۰ دقیقہ ہے،

یہ روئے زمین کا ایک بہت بڑا شہر ہے، یہان کی زمین پتھریلی ہے، اینٹ کی فصیل قائم ہے، جو حماۃ کی فصیل سے (جو دنیا کی بڑی فصیلون مین سمجھی جاتی تھی) بھی زیادہ بڑی ہے، دریا (جمنا) سے کچھ دور آباد ہے، یہان سے تقریبًا ایک فرسخ پر ایک دریا بہتا ہے، جو فرات سے بھی چھوٹا ہے، گرمیون کے زمانہ مین بارش ہوتی ہے، باغ زیادہ نہین ہین، خصوصًا انگور بالکل نہین پیدا ہوتے، اس کی **جامع مسجد** مین ایک مینار ہے، جو تمام دنیا مین اپنی آپ مثال ہے، سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے، جس مین

تقریبًا ۳۰۰ سیڑھیان ہین خصوصًا اس کی بلندی خاص طور پر قابل ذکر ہے جو تقریبًا اسکندریہ کے مینار کے برابر ہوگی، شیخ برہان الدین بن خلال بزی کوفی کا بیان ہے کہ یہ ۶۰۰ فیٹ بلند ہے،

دلی دراصل متعدد شہرون کے مجموعہ کا نام ہے، ان کی مجموعی تعداد ۲۱ ہے، ان مین سے ہر ایک شہر کے لیے جداگانہ نام ہین، ان مین ایک دلی بھی ہے، پھر سب کے مجموعہ کو بھی دلی کہتے ہین،

پوری دلی تقریبًا ۴۰ میل کے دور مین ہوگی، یہان کے مکان پتھر اور اینٹ کے ہوتے ہین، چھتین لکڑی کی ہوتی ہین، سڑکون پر سنگ مرمر کی طرح کا ایک قسم کا سفید پتھر بچھایا گیا ہے، مکان بالعموم دو منزلہ سے زیادہ نہین ہوتے، بلکہ اکثر مکان یک منزلہ ہین، مکانون مین سنگ مرمر بچھانے کا حق بجز سلطان دلی کے اور کسی کو حاصل نہین،

مدارس، اسپتال اور خانقاہین یہان **ایکہزار مدارس** قائم ہین، جنمین سے صرف ایک مدرسہ **شافعیون** کا ہے، بقیہ تمام مدرسے **احناف** کے ہین، اسی طرح ۷۰ **اسپتال** ہین، جو دار الشفا کہے جاتے ہین تقریبًا **دو ہزار خانقاہین** ہین، جہان زائرین کا اژدہام لگا رہتا ہے، بازار نہایت کشادہ اور وسیع ہین، جابجا حمام قائم ہین،

شاہی محل **دلی** سارے ہندوستان کا دار السلطنت اور سلطان ہند کی جائے قیام ہے، مستقر سلطانی نہایت عالیشان ہے، ایک وسیع سلسلۂ محلات قائم ہے، جنمین سلطان اور حرم سلطانی کے جداگانہ مسکن ہین، اسی طرح سلطان کی خواص، اور دوسرے پیش خدمتون کے لیے بھی نہایت خوبصورت عمارتین ہین، خوانین و امراء کو مستقر سلطانی مین رہنے کی اجازت نہین، اور نہ محل خاص مین بجز اجازت خاص اور کار خاص کے کبھی کوئی باریاب ہو سکتا ہے، اگر کبھی ضرورت پیش آتی ہے، تو لوگ شاہی محل مین بلائے جاتے ہین، اور کام کے ختم ہوتے ہی لوٹ آتے ہین، شاہی محل کے تین طرف مشرق، جنوب اور شمال مین گرداگرد خوبصورت باغ لگے ہوئے ہین اور مغرب کی طرف ایک پہاڑی کے خوشنما

قدرتی مناظر ہین،

دواکیر (دیوگیر) یہ ہندوستان کا دوسرا پایہ تخت ہے، دواکیر (دیوگیر) نام کا ایک قدیم شہر تھا، اسکو محمد تغلق شاہ نے نئے سرے سے تعمیر کرانا شروع کیا، اور "قبۃ الاسلام" نام رکھا، لیکن اپنے حین حیات مین اسکو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا،

محمد بن تغلق شاہ نے اس کی بنا ایک بالکل جدید طریقہ پر ڈالی تھی، مختلف قسم کے لوگون کے لیے جداگانہ محلے قائم کئے تھے، مثلاً فوج کا ایک مخصوص محلہ تھا، وزرار کے لیے ایک جداگانہ محلہ، اہل انشار کے لیے ایک الگ آبادی، اور پھر اسی طرح قضاۃ، علما، مشائخ، اور فقرار کے لیے الگ الگ محلے قائم کئے گیے تھے، پھر ہر ایک محلہ کے باشندون کی ضروریات کی مناسبت سے مسجدین، حمام، اور بازار کا مختلف اسلوب پر اہتمام کیا گیا تھا اور ہر محلہ مین مختلف کاریگر اور صناع انگریز، رنگساز، نجار، اور دباغ وغیرہ بسائے گئے تھے، تاکہ کسی ایک محلہ کے رہنے والون کو کسی دوسرے محلہ مین جاکر خرید و فروخت کرنے کی ضرورت باقی نہین رہے، گویا ان مین سے ہر ایک محلہ اپنی اپنی جگہ مستقلاً ایک چھوٹا سا شہر تھا،

ہندوستان کے تین خطے اس کے بعد مصنف نے سارے ہندوستان کی آبادیون کو عمومی طور پر تین قسمون اور خطون مین تقسیم کیا ہے، قسم اول بلاد جزرات (گجرات) قسم دوم بلاد منبار (ملیبار) اور قسم سوم بلاد معبر ہین، قسم اول کے ممتاز شہرون مین نہلوارہ یا نہروارہ (نہروالہ) کھنبائت، تانہ (تھانہ) صومنات (سومنات) سندان، ناگور، جالور، اور منوری کو شمار کیا ہے پھر ان مین سے ہر ایک کی جاے وقوع طول بلد اور عرض بلد کے ذریعہ سے اور ہر ایک کے اہم خصوصیات بتائے ہین،

نہلوارہ (نہروالہ) کی جاے وقوع وغیرہ بتانے کے بعد لکھتا ہے، یہ شہر کھنبائت سے بڑا ہے،

کھنبائت کے متعلق کہتا ہے کہ اسکو "انبایت" بھی کہتے ہین اور اسی سے "انباتی" نسبت آتی ہے، شیخ مبارک انباتی اسی طرف منسوب ہین، پھر جاے وقوع بتانے کے بعد کہتا ہے، یہ بہت بڑا شہر ہے، مکان اینٹون

کے ہین اور شہر مین سپید سنگ رخام بچھے ہوئے ہین، اسی طرح **تانہ** (تھانہ نزد بمبئی) کے متعلق کہتا ہے یہ نہایت تجارتی شہر ہے، اسکی زیادہ آبادی ہندوؤن پر مشتمل ہے، اور مسلمان بھی ان کے ساتھ رہتے ہین، عرب تاجرون کی یہان کثرت سے آمد و رفت ہے، اور اسی لیے اس کا نام تاجرون کے طبقہ مین ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، "تانشی" (تانچی ؟ شاید کہ یہ نام ناسک ہو) سے اس کی نسبت کو ظاہر کرتے ہین، ہندوستان کا مشہور کپڑا "ثیاب تانشیہ" یہین بنا جاتا ہے، **سومنات** کے متعلق کہتا ہے، اسکو بھی تجارتی حیثیت حاصل ہے، اور یہ زیادہ تر "بلاد لار" کے نام سے مشہور ہے، اسکی زیادہ شہرت اُس بت کی وجہ سے ہے، جسکو محمود بن سبکتگین نے فتح کے وقت توڑ ڈالا تھا، پھر اسی طرح **سندان، ناگور، جالور** اور **منوری** کے حالات بیان کئے ہین، **جالور** کے متعلق کہتا ہے، یہان کی آبادی نہایت وفا شعار ہی، کہا جاتا ہی کہ جالور نے سلطان دہلی سے کبھی بغاوت نہین کی،

قسم دوم **بلاد مینبار** (ملیبار) کے مشہور شہرون مین منور، باسرور، منجرور (منگلور) تندیور، شالیات (چالیات) شنکلی اور کولم (موجودہ ٹراونکور مین داخل ہی) وغیرہ ہین، آخر الذکر شہر مین مسلمانون کا ایک مخصوص محلہ ہے، جس مین جامع مسجد بھی ہے، ورنہ اکثر شہرون مین ہندو آباد ہین اور اکثر شہر بھی غیر مسلم فرمانرواؤن کے قبضہ مین ہین، مینبار (مالابار) کا پورا خطہ نہایت سرسبز و شاداب ہے، باغ بکثرت ہین، اور ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے ہین، اس کے تجارتی تعلقات بھی دوسرے ممالک سے بہت اچھے ہین اور مسافرون اور تاجرون کی عام آمد و رفت جاری رہتی ہے،

بلاد معبر مین چند مشہور شہر ہین جنمین **بیرداول** (بیردھول) کو زیادہ شہرت حاصل ہے، یہی یہان کا پایہ تخت ہے، یہان گھوڑون کی درآمد بہت زیادہ ہے،

ہندوستان کے ان تین خطون کے ماورا چند شہر رہجاتے ہین، اور وہ بھی قابل ذکر ہین، ان مین سے ماہورہ (متھرا) لوہور (لاہور) اور قنوج خصوصیت سے قابل تذکرہ ہین، **ماہورہ** (متھرا) کے سرسبک

قلعے بہت شہرت رکھتے ہین، انھین زیر کرنا سخت دشوار ہے، یہان خالص برہمنون کی آبادی ہے، لوہور (لاہور) بہت بڑا شہر ہے، اور بہت کچھ نفع بخش ہے، یہان سے ممتاز اہل علم کی ایک جماعت پیدا ہوئی ہو قنوج، لہاور (لاہور؟) کا دارالحکومت ہے، ہندوستان کے بڑے شہرون مین شمار کیا جاتا ہے، لوگون مین اُسکی آبادی اور دولت و ثروت کے متعلق مبالغہ آمیز داستانین مشہور ہین، کہا جاتا ہے کہ یہان تین سو بازار صرف جوہریون کے ہین، والی قنوج کے محل کے سامنے ڈھائی ہزار ہاتھی جھومتے رہتے ہین، سونے کی کانین بکثرت ہین، تجارت کا عام بازار گرم رہتا ہے، کشمیر اسی کے ماتحت [1] ہے،

اسی طرح ہندوستان کا ایک خطہ قامرون (کامروپ یعنی آسام) کے پہاڑون سے گھرا ہوا ہے، یہ وسیع سلسلۂ کوہ ہے جو ہندوستان اور چین کے درمیان حائل ہو (سلسلۂ کوہستان ہمالیہ سے مقصود ہی)

ولایات ہند | حکومت ہند کی تقسیم مین ہندوستان کل ۲۳ اقلیمون (صوبون) مین منقسم ہے، اور یہ سب اقلیم فرمانروائے دلی کے ماتحت ہین، قاضی سراج الدین ہندی نے سب کو نام بنام گنایا ہے، وہ یہ ہین اقلیم دہلی، اقلیم دواگیر (دیوگیر) اقلیم ملتان، کہران (کہکران علاقۂ سرحد) سیوستان (سیستان) دجار (   ) ہاسی (ہانسی) سرستی (   ) معبر (کارومنڈل) تلنگ (   ) گجرات (گجرات) بدلون (بدایون؟) عوض (اودھ) قنوج، لکنوتی (بنگال) بہار (بہار) کرۂ (کڑا یعنی دوآبہ الٰہ آباد) ملاوہ (مالوہ) لہاور (لاہور یعنی پنجاب) جاجنگر (جاجنگر مونگیر وغیرہ) تلنج (تلنگ) اور ۲۳ وین اقلیم دوارسمندر (جہان اب میسور کی ریاست واقع ہے)

پھر ان تمام اقلیمون مین ایکہزار دو (۱۰۰۲) شہر آباد ہین، اس کے بعد ان شہرون مین کس قدر قریے ہین، اس کے اعداد و شمار معلوم نہین، البتہ قنوج کے متعلق معلوم ہے کہ اس کے ماتحت ایکسو بیس (۱۲۰) لک (لاکھ) ہین، اور پھر ایک لک مین ایک ایک لاکھ قریے ہین، گویا پورے قنوج کے ماتحت بارہ (۱۲) لاکھ گاؤن آباد ہین،

[1] یہ حالات مصنف نے کسی ابتدائی عربی جغرافیہ کی کتاب سے لئے ہین، حالانکہ یہ حالات اب تمامتر بدل چکے تھے،

اس کے بعد قلقشندی نے جزائر ہند اور ہندوستان کے راستون کا ذکر کیا ہی، پھر اس جغرافی تقسیم کے بعد یہان کے حیوانات اور عام پیداوار وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہی، ان حالات مین سب سے دلچسپ بیان یہان کے جانورون کے متعلق ہی، لکھتا ہے،

حیوانات | یہان گھوڑون کی دو نسلین ہین، ایک عربی اور دوسری براذین (معمولی گھوڑے) لیکن ان مین سے اکثر جانور بیکار ہوتے ہین، اور اسی وجہ سے ہمسایہ ملکون ترکستان، بحرین، یمن اور عراق وغیرہ سے گھوڑے منگائے جاتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان مین عربی گھوڑے بڑی بڑی قیمتون پر فروخت ہوتے ہین،

خچر اور گدھون کا ذکر کرتے ہوئے ان کے متعلق باشندگانِ ہند کی مخصوص ذہنیت کا اسطرح تذکرہ کرتا ہے،

یہان خچر اور گدھے ہوتے ہین، لیکن ان کی سواری معیوب ہے، اگرچہ عوام کبھی کبھی سوار ہو جاتے ہین، لیکن معززین اور اہل علم مین سے کوئی کبھی بھی خچر پر سوار نہین ہوتا، لیکن گدہے کی سواری تو سخت ذلت انگیز اور باعث ننگ سمجھی جاتی ہے، اس لیے یہ بجز بوجھ اٹھانے کے کسی کام مین نہین لائے جاتے، اور معززین اور خواص کے طبقے تو گدھون کو باربرداری کے کام مین لانا بھی پسند نہین کرتے، گدھون کے بجائے دیسی گھوڑے اور بیل پر بوجھ لادتے ہین،

گائے بیل بھی کثرت سے ہین، اور کامون کے علاوہ ان پر بوجھ بھی لادتے ہین، اونٹ کم ہوتے ہین صرف سلاطین، خواتین، امراء، وزراء اور اکابر سلطنت کے یہان بطور شان امتیاز ہوتے ہین،

چوپایہ جانورون مین ان کے علاوہ بھینس، بکری، مینڈھا ہے، پرندون مین مرغیان، کبوتر، اور وحشی جانورون مین ہاتھی اور گینڈے کثرت سے ہین، اوران کے علاوہ جنگلون مین ہر قسم کے درندے بھی پائے جاتے ہین،

اس کے بعد یہان کی پیداوار کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے، اور یہان ہر قسم کے غلے، پھل پھول میوے

اور سبزی ترکاریون وغیرہ کو نام بنام پوری تفصیل سے درج کیا گیا ہے، اور پھر اسی سلسلہ مین مختلف صنعت و حرفت اور پیشہ والون کا تذکرہ ہے، جس مین عام ارباب صنائع داخل ہین، اس کے بعد ہندوستانی سکون کا تفصیل سے ذکر ہے، سکون کے متعلق لکھتا ہے، کہ

سکے | یہان چار قسم کے درہم رائج ہین، ان مین سے ایک ہشتگانی (مساوی دو آنہ) ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ مصر کے نقرئی درہم کے مساوی ہوتا ہے، دونون مین بہت کم فرق ہے، ہندوستان مین آٹھ جیتل کا ایک ہشتگانی ہوتا ہے، اور ایک جیتل (ایک جیتل مساوی ایک آنہ) چار فلس (پیسون) کا ہوتا ہے، یعنی تینتیس[۳۲] پیسون کا ایک ہشتگانی، ایک دوسرا سکہ درہم سلطانی ہے، یہ دوگانی بھی کہا جاتا ہے، مصری درہم کا چوتھائی ہوتا ہے، اور جیتل کا ایک درہم سلطانی ہوگا، گویا آٹھ پیسون کا ایک درہم سلطانی ہوا، تیسرا سکہ شستگانی ہے، یہ ہشتگانی کا نصف وربع ہوتا ہے اور درہم سلطانی سے تین درہم ہونگے، چوتھی قسم کا سکہ دوازدہ گانی یہ بھی ہشتگانی کا نصف وربع ہوتا ہے، گویا شستگانی کے مساوی ہوتا ہے اور پھر ہشتگانی کے آٹھ درہم ملکر ایک تنکہ (تنکہ مساوی ایک روپیہ) ہوتا ہے،

پھر یہین سے سونے کے سکے شروع ہوتے ہین، سونے کے سکون کا حساب مثقال سے ہوتا ہے، تین مثقال کا ایک تنکہ ہوتا ہے، تنکہ سونے اور چاندی دونون طرح کے رائج ہین، سونے کا تنکہ تنکہ سرخ اور چاندی کا تنکہ سپید دستی تقریباً دھائی روپیہ کہا جاتا ہے، اور پھر ایک لاکھ تنکہ کا ایک لک (لاکھ) ہوتا ہے، اور یہ بھی سونے اور چاندی کے کحاظ سے سرخ و سپید کہا جاتا ہے،

پیمانہ | یہان کا رطل ستر (سیر) کہا جاتا ہے، جو ۰ ۷ مثقال[۱] کا ہوتا ہے، اور پھر چالیس سیر کا ایک من ہوتا ہے، یہان تمام خرید و فروخت وزن ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے، ناپ (کیل) کا طریقہ رائج نہین ہے،

نرخ | ہندوستان مین عام نرخ نہایت ارزان ہے، ایک ہندی عالم قاضی القضاۃ سراج الدین ہندی

[۱] ایک عربی مثقال کو کم و بیش ایک تولہ سمجھئے۔

کا بیان ہے کہ دہلی مین کام کاج کرنے والی باندیون کی قیمت ۸ تنکہ (روپیہ) سے زیادہ نہین ہے، اور جو باندیان کام کاج بھی کر سکتی ہین، اور ام ولد بھی بنائی جا سکتی ہین، وہ ۱۵ تنکہ مین ملجاتی ہین، یہ تو پایۂ تخت کا حال ہے ورنہ دوسرے شہرون مین اس سے بھی ارزان قیمتون پر فروخت ہوتی ہین، خود سراج الدین ہندی نے ایک غلام صرف ۴ درہم مین خریدا تھا، لیکن اس ارزانی کے باوجود ہندوستان مین بعض لونڈیان اپنے حسن و جمال کی قیمت بیس بیس ہزار تنکہ (روپیہ) سے بھی زیادہ پاتی ہین، اور لوگ نہایت کشادہ دلی سے یہ قیمتین ادا کرتے ہین،

شیخ مبارک انباتی نے ایک بیان مین ہندوستان کے عام نرخ کا تذکرہ کیا ہے، جس سے آٹھوین صدی ہند کی اقتصادی حالت کا عام اندازہ ہو سکتا ہے، ان کے بیان مین نرخ کا حسب ذیل نقشہ ہے،

نام	مقدار	قیمت	کیفیت
گیہون	فی من	ڈیڑھ ہشتگانی درہم	یعنی ۳ر فی من
جو	"	ایک " "	
چاول	"	پونے دو ہشتگانی درہم،	لیکن چاول کی بعض جیسی قسمین اس سے زیادہ گران قیمت ہین
چنا	"	نصف " "	یعنی ۱ر من
گائے اور بکری کا گوشت	۴ سیر	ایک درہم سلطانی	
بط	ایک عدد	۲ درہم ہشتگانی	یعنی ۴ر
مرغی	۴ عدد	ایک " "	
شکر	۵ سیر	" " "	ایک روپیہ،
بکری	ایک عدد	ایک تنکہ (آٹھ درہم ہشتگانی)	یہ خوب تنومند بکری کی قیمت ہے

گائے	ایک عدد	۲ تنکہ	یہ خوب تنومند گائے کی قیمت ہے
بھینس	”	”	” یعنی ۲ روپیہ

گائے کا گوشت اسی طرح پرندہ کبوتر وغیرہ نہایت ارزان قیمت پر ملتے ہین، اور ہر قسم کے شکاری جانور بھی سستے دامون پر کثرت سے بکتے ہین، یہان گوشت زیادہ تر گائے اور بھیڑ کا کھایا جاتا ہے، حالانکہ مینڈھے بھی بہ کثرت ملتے ہین، اس لیے سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہین کہ لوگ لحم بقر کھانے کے زیادہ عادی ہوگئے ہین،

صاحب مسالک الابصار نے شیخ خجندی کا ایک بیان نقل کیا ہی جس سے یہان کے نرخ کی عام ارزانی کا پتہ چلتا ہو، وہ کہتے ہین "مین اور میرے اور تین دوستون نے دلّی مین گائے کا گوشت، اور روٹی اور گھی نہایت سیر ہو کر کھایا اور چارون آدمیون کے پورے کھانے کی قیمت ایک جیتل یعنی صرف چار پیسے تھی،"

سلاطین اس کے بعد سلاطینِ اسلام ہند کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے، جس مین سلاطین غزنویہ سے شروع کرکے سلطان غیاث الدین محمود خان کے عہد پر ختم کیا ہے، یہی اخر الذکر سلطان اور قلقشندی صاحب صبح الاعشیٰ دونون ہمعصر تھے،

سلطان محمد بن تغلق شاہ اس کے بعد ان سلاطینِ اسلام مین سے اپنے دور یعنی آٹھوین صدی ہجری کے فرمانروائے ہند سلطان محمد بن تغلق شاہ کے عہد کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، کیونکہ شیخ مبارک انباتی وغیرہ اسی عہد مین گذرے ہین، اور اسی کے دربار سے وابستہ تھے، محمد بن تغلق شاہ کے عہد حکومت کے یہ حالات انہی کے بیانون سے ماخوذ ہین، اس عہد حکومت کے حالات بیان کرتے ہوئے پہلے حکومت کے فوجی نظام اور عمالِ حکومت پر روشنی ڈالی گئی ہی، پھر سلطان کے عام مشاغل دربار، سیر و شکار اور طریقۂ حکومت کو بیان کیا گیا ہے، اسی سلسلہ مین لکھتا ہے،

شاہی فوج سلطان محمد بن تغلق شاہ (جلوس ۷۲۵ھ - وفات ۷۵۲ھ) کی شاہی فوج نوے ہزار سے زیادہ ہی، جس مین ترکی، ایرانی، اور ہندوستانی وغیرہ تمام قومین ہین، فوج نہایت زرق برق لباس مین ملبوس

اور نہایت شان و شوکت سے عربی گھوڑون پر سوار رہتی ہے، شاہی فوج کے عہدے بہ ترتیب یہ ہین خوانین[1]، راجگان، امراء، سپہ سالار اور سپاہی، ان تمام عہدے دارون کے ماتحت مختلف تعداد مین فوج ہوتی ہے، جس کا نقشہ حسب ذیل ہے،

(۱) خان ۱۰۰۰۰ سوار (۲) راجہ ۱۰۰۰ سوار

(۳) امیر ۱۰۰ ” (۴) سپہ سالار ۱۰۰ سے کم۔

خاص بارگاہ سلطانی مین ۰۰ سے زیادہ خوانین حاضر رہتے ہین، چھوٹے عہدے دار سپہ سالار وغیرہ بارگاہ سلطانی مین خود حاضر ہونے کی جرأت نہین کر سکتے، حسب ضرورت بلند مرتبہ عہدہ داران کے فرائض انجام دیتے ہین،

ملازمین بارگاہ سلطانی اس شاہی فوج کے علاوہ ایک متعین تعداد ملازمین بارگاہ کی ہر جو امتثال امر کیلئے ہمہ وقت محل شاہی کے گرد موجود رہتے ہین، وہ یہ ہین،

ترکی غلام ۱۰۰۰۰ خواجہ سرا ۱۰۰۰۰

خزانہ دار ۱۰۰۰ بشمقدار (؟) ۱۰۰۰

ہمرکاب غلام ۲۰۰۰ یہ اسلحہ سے آراستہ ہمہ وقت ساتھ رہتے تھے،

شاہی فوج اور ملازمین بارگاہ کی تمام تنخواہین دیوان سلطانی سے ادا ہوتی تھین،

عمالِ شاہی عمال شاہی مین ایک وزیر اعظم ہے، اس کے چار سکرٹری (کاتب سر) ہوتے ہین، جو ملکی زبان مین دبیر کہے جاتے ہین، اور پھر ہر دبیر کے ماتحت ۳۰۰ منشی ہین، صیغۂ عدالت شاہی مین سب سے بڑا عہدہ دار قاضی القضاۃ ہے، جو نہایت بلند مرتبہ رکھتا ہے، اس کے ماتحت محتسب، شیخ الشیوخ اور ۱۲۰۰ اطبا ہین،

[1] "خان" کی فارسی جمع خانان اس سے عربی جمع خوانین،

ان کے علاوہ سلطان کے عام درباری اور حاضر باش عہدے دار اور اہل مناصب حسب ذیل ہین

نام	تعداد	کیفیت
بازدار	.	شکار کرنے والے جانورون (باز وغیرہ) کو گھوڑے پر اٹھائے رہتے ہین
سواق (شکار ہنکانے والے)	۳۰۰۰	شکار ہنکاتے ہوئے گھیر گھیر کر لاتے ہین،
ندیم (مصاحب)	۵۰۰	
مغنی و مغنیات	۱۲۰۰	ان مین سے اکثر ارغلام فن موسیقی مین پورا کمال رکھتے ہین،
شعراء	۱۰۰۰	عربی فارسی اور ہندی زبان مین شاعری کرتے ہین،

جاگیر اور تنخواہین ان تمام عہدے دار، اہل مناصب اور درباری متوسلین کی مختلف جاگیرین اور تنخواہین مقرر ہین، جو سب خاص دیوان سلطانی سے ادا ہوتی ہین، ممتاز عہدے دار اور اہل مناصب کی تنخواہین اور جاگیرین حسب ذیل ہین،

نام عہدہ	جاگیر یا تنخواہ	کیفیت
نائب کبیر	جاگیر ایک صوبہ	جو وسعت مین عراق کے مانند ہے
خان	تنخواہ ۲ لاکھ تنکہ (روپیہ)	
امیر	" ۳۰ ہزار سے ۴۰ ہزار تنکہ تک	
سپہ سالار	" ۲۰ ہزار " (روپیہ)	
سپاہی اور چھوٹے عہدہ دار	" ایک ہزار تنکہ سے ۱۰ ہزار تنک	
ملوک	" ایکہزار تنکہ سے ۵۰ ہزار تنک	
غلام	" ۱۰ اشرفی تنکہ (ایک تنکہ ڈھائی آنہ) ماہانہ ۳ من گیہون اور چاول و ۳ سیر گوشت روزانہ	

ارباب قلم مین سے حسب ذیل عہدے دارون کی حسب ذیل تنخواہین اور جاگیرین ہین،

وزیر اعظم	جاگیر ایک صوبہ	جو وسعت مین عراق کے مثل ہے،
دبیر	" ۴ شہر	جو اپنی آمدنی کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہوتے ہین،
منشی کبیر (ہیڈ کلرک)	تنخواہ ۱۰ ہزار تنکہ	
قاضی قضاۃ (صدر جہاں)	جاگیر ۱۰ گاؤن	جنکی آمدنی کم از کم ۶۰ ہزار تنکہ ہوتی ہو،
شیخ الشیوخ "	" "	" " "
محتسب "	ایک گاؤن	جس کی آمدنی ۸ ہزار تنکہ ہوتی ہے،
ندیم	ایک یا دو گاؤن	جن مین سے ہر ایک کی آمدنی ۳۰ ہزار سے ۵۰ ہزار تنکہ تک ہوتی ہے

لیکن ان تمام عہدے دارون اور اہل مناصب کے جملہ ذاتی اخراجات خورد و نوش، پوشش اور سواری کا سارا بار شاہی مطبخ اور شاہی خزانہ پر ہوتا ہے، علاوہ ازین کبھی کبھی مختلف موقعون پر مختلف اہل مناصب کو خلعت ہائے فاخرہ سے بھی سرفراز کیا جاتا ہے،

شاہی دسترخوان شاہی محل مین دو دسترخوان ہین، ایک دسترخوان عام ہے جسپر بیس ہزار اکابر ملک خوانین، راجگان، امراء، اور ممتاز عمالِ حکومت روزانہ کھانا کھاتے ہین، دوسرا دسترخوان خاص ہے، وہ مخصوص سلطان ہند کا ہے، دسترخوان پر سلطان کی معیت مین صرف دوسو علماء و فقہاء شریک طعام ہوتے ہین، اور دسترخوان ہی پر سلطان کے سامنے مختلف علمی و مذہبی مباحث پر سرگرم گفتگو ہوتی ہے،

شیخ ابوبکر بن خلال بیان کرتے ہین کہ انھون نے شاہی محل کے باورچی سے روزانہ کے ذبیحون کی تعداد دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ۲۵۰۰ گائین، ۲۰۰۰ بکرے روزانہ ذبح ہوتے ہین، ان کے علاوہ دسترخوان پر مختلف قسم کے پرندون کے گوشت بھی ضرور ہوتے ہین،

ہفتہ وار دربار سلطان ہفتہ مین ہر سہ شنبہ کو دربار عام منعقد کرتا ہے، اس دربار کے لیے ایک بہت بڑا وسیع ایوان مخصوص ہے جو ہر قسم کے تکلفات سے آراستہ و پیراستہ رہتا ہے، صدر مین ایک نہایت بلند

مرصع تخت زرنگار بچھا ہوتا ہے، سلطان اسی پر جلوس کرتا ہے، دائین بائین ارباب حکومت ایستادہ ہوتے ہین، پشت پر ہتھیار بند اسلحہ دار اور سامنے ارباب وظائف واہل مناصب حسب حیثیت ومرتبت کھڑے ہوتے ہین، بیٹھنے کی اجازت صرف صدر جہان یعنی قاضی القضاۃ اور خوانین کو ہوتی ہی، اور ان کے دبیر بھی اپنے اپنے دفاتر سنبھالے موجود ہوتے ہین،

دربار کے افتتاح کے موقع پر ایک نقیب بآواز بلند پکارتا ہے، "مظلومین اپنی فریاد سنائین" اہل حاجت اپنی ضرورتین پیش کرین، جسے کوئی شکایت ہو یا ہر وہ شخص جو حاجتمند ہو اس کے لیے اذن عام ہے، کہ حاضر حضور ہو جائے، نقیب کے خاموش ہوتے ہی اہل غرض بلاتکلف سامنے آجاتے ہین، اور سامنے کھڑے ہو کر نہایت صفائی سے حالات بیان کرتے ہین، اثنائے بیان مین کسی کو کسی کے روکنے کی مجال نہین، حالات سنکر سلطان خود فرمان قلمبند کرتا ہے،

سلطان وعمال شاہی کے معمولات یومیہ

محلات شاہی مین سے ایک عظیم الشان قصر مین حکومت کا صدر دفتر ہی، بارگاہ سلطانی مین کسی کو ہتھیار بند حاضر ہونے کی اجازت نہین، یہانتک کہ معمولی چھڑی بھی ہاتھون مین نہین رکھی جا سکتی، سلطان خود سات دروازون کے اندر بیٹھتا ہے، باریاب ہونے والون کو پہلے ہی دروازہ پر سوارپون سے اتر جانا پڑتا ہے، صرف چند مخصوص اہل مراتب چھ دروازون تک سوار جا سکتے ہین، لیکن یہ محض معدودے چند افراد کو خصوصیت حاصل ہے، پہلے دروازے پر بوق وطبل کا اہتمام ہوتا ہے، جب معزز عہدہ دار حاضر بارگاہ ہوتے ہین، تو ان کے شان امتیاز کے لیے وہ بجائے جاتے ہین، قصر شاہی کا ساتوان دروازہ صرف ایک مرتبہ کھلتا ہے، لوگ جیسے جیسے آتے جاتے ہین، ساتوین دروازے پر کھڑے ہوتے جاتے ہین، جب شرف حضوری رکھنے والون مین سے ایک ایک شخص آجاتا ہے، تو خاص اہتمام سے وہ ساتوان دروازہ بھی کھول دیا جاتا ہے، تو سب لوگ ایک ساتھ باریاب ہو کر آداب شاہی بجا لاتے ہین، پھر جن اہل مناصب کو بیٹھنے کی اجازت عطا ہوتی

ہے، وہ حسب مرتبت نشستون پر بیٹھ جاتے ہین، اور بقیہ تمام اشخاص سر جھکائے کھڑے رہتے ہین، باریابی کے ان آداب ومراسم کی ادائگی کے بعد ہر شخص اپنے اپنے دفتر مین اپنی اپنی جگہون پر چلا جاتا ہے، اور روزانہ کے کام مین مصروف ہو جاتا ہے، ان عمال شاہی مین سے وزیر اعظم، قاضی القضاۃ، اور دبیرون کی نشستین علیحدہ کمرون مین سلطان کی نگاہ سے اوجھل ہوتی ہین،

اس کے بعد مختلف حاجب اپنے اپنے افسر اعلیٰ کی خدمت مین آتے ہین، اور ارباب مظالم اور مظلومون کے تمام مقدمات کی مسلین تفصیل سے پیش کرتے ہین، پھر وہ افسر اعلیٰ ان تمام مسلون کو سلطان کے سامنے پیش کرتا ہے، اور سلطان مطالعہ اور غور وخوض کے بعد اپنے احکام ثبت کرتا ہے، پھر سلطان کے اٹھ جانے کے بعد حاجب اعلیٰ تمام کاغذات دبیرون کے روبرو پیش کر دیتا ہی، اور وہی احکام سلطانی کو نافذ کرتے ہین،

سلطان شاہی دفتر سے اٹھ کر ایک دوسری بزم خاص مین آتا ہے، یہان علماء، ماہرین فن اور ارباب ادب جمع رہتے ہین، اور سلسلہ بحث ومناظرہ جاری ہوتا ہے، اور پھر سب لوگ یہین سے کھانے پر جمع ہوتے ہین، اس کے بعد ہر شخص اپنی اپنی اقامت گاہ پر چلا جاتا ہے، اور سلطان قصر شاہی مین جا کر آرام کرتا ہے،

سلسلۂ رسل ورسائل

سلطان کے سلسلۂ رسل ورسائل اور پرچہ نویسی کا نظام نہایت عمدہ ہے، اور اسکی مختلف قسمین ہین، مثلاً ملک کی عام رعایا کے درمیان چند ایسے افراد مخصوص ہوتے ہین، جو عام حالات سے آگاہی حاصل کرنے پر مامور ہوتے ہین، اور وہی لوگ اپنے اعلیٰ افسرون تک ہر قسم کی خبرین پہنچاتے ہین، جو بتدریج سلطان تک پہنچا دیجاتی ہین،

دور دراز ممالک سے سلطان تک جلد تر خبر پہنچانے کا انتظام نہایت معقول ہی، تمام ممالک سے قصر سلطانی تک پختہ مکان بنائے گئے ہین، جن کے ذریعہ سے مصر وشام کی طرح ڈاک کا نہایت

عمدہ انتظام ہے، اگرچہ ان ممالک مین ڈاک کا انتظام اس لیے زیادہ بہتر ہے کہ آبادیان ایک دوسرے سے دور نہین ہین، لیکن ہندوستان کی حالت اس سے مختلف ہے، وہان نہایت دور دور پر آبادیان قائم ہین، لیکن اس دشواری کے باوجود ہر چار فرلانگ پر ایک مکان بنا ہوا ہے، اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے کے لیے دس دس ہر کارے مقرر ہین، جو خطوط، فرامین، اور دوسری مرسلہ اشیار نہایت تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہین، اور پھر اسی ترتیب سے نہایت سرعت کے ساتھ وہ ڈاک قصر شاہی، اور قصر شاہی سے دوسرے مقام تک پہنچ جاتی ہے، ڈاک کے اس راستہ مین ہر جگہ مناسب موقع سے مسجدین، بازار اور کنوین موجود ہین،

شاہی سفر | شاہی سفر بڑے تزک و احتشام سے انجام پاتا ہے، ایک شخص گھوڑے پر سوار تاج شاہی پر چتر لگائے رہتا ہے، سلاح دار زرق برق لباس مین ملبوس اپنے چمکیلے ہتھیار سنبھالے ہوئے سواری کے پیچھے ہوتے ہین، دائین بائین تقریباً ۱۲ ہزار خدام پاپیادہ رہتے ہین، سواری کے آگے طبل بجتا ہے، طبل مین ۲۰۰ نقارے، ۴۰ کوس، ۲۰ بوق، اور ۱۰ اجنگ ہوتے ہین، سلطان کے ساتھ دوسرے اعیان حکومت اپنے اپنے امتیازی جھنڈون کے ساتھ ہمرکاب ہوتے ہین، بعض خوانین کو سات سات جھنڈے رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، ان اعیان حکومت کے چند دیگر امتیازات خصوصی بھی ہوتے ہین مثلاً خوانین عام طور پر دس کوتل گھوڑے اپنے ہمرکاب رکھ سکتے ہین، اور امرار کو صرف ۳ کوتل گھوڑون کی اجازت ہوتی ہے،

شکار | شکار مین سلطان کی بالکل جداگانہ شان وشوکت ہوتی ہے، وہ خود تو نہایت معمولی لباس مین ملبوس رہتا ہے، لیکن ایک لاکھ سوار اور دو سو ہاتھی اس کے ہمرکاب رہتے ہین، شکار کے سلسلہ مین "قابلِ نقل وحرکت" محل خاص طور پر تذکرہ کے قابل ہے، یہ نہایت شان وشوکت کیساتھ آراستہ و پیراستہ قصر ہوتے ہین، جو میدان مین دو منزلہ کھڑے کئے جاتے ہین، اور محل کی پوری عمارت زرکار ریشمی پردون سے ڈھکی ہوتی ہے، اس کا سامان دو سو اونٹون پر بار ہوتا ہے، اور دیگر خیمہ و خرگاہ جو شکار کے لیے مخصوص ہین اس کے علاوہ ہین، لیکن جو سفر محض سیر وتفریح کی خاطر ہوتے ہین ان مین تقریباً تیس ہزار سوار اور ایک ہزار کوتل گھوڑے ساتھ ہوتے، جو جواہر و یاقوت کے طوقون سے آراستہ ہوتے ہین،

سلطان حالتِ جنگ مین | جنگ مین سلطان کے سر پر سات چتر لگائے جاتے ہین، جنمین سے دو خصوصیت کیساتھ نہایت مرصع، مطلا اور مذہب ہوتے ہین، جنگ کا نقشہ یون ہوتا ہے:-

سلطان خود قلبِ فوج مین ہوتا ہے، اور اس کے گرداگرد ائمہ وعلمار، اور ان کے بعد تیر انداز پرے جمائے کھڑے ہوتے ہین، پھر سلطان کے دو بازوؤن پر میمنہ و میسرہ بنائے جاتے ہین، اور اس کے سامنے ہاتھیون کا جھنڈ ہوتا ہے، ہاتھیون پر برجون سے ڈھکے ہوئے آہنی ہودج رکھے جاتے ہین، جنپر تیر انداز سوار رہتے ہین، اور پھر انہی برجون کے ہر سمت مین سوراخ بنے ہوتے ہین جن سے تاک تاک کر نشانے لگائے جاتے ہین، اور انہی ہودجون مین روغن نفط ہوتا ہے، جو شیشہ کی نلکیون سے دشمنون پر اچھالا جاتا ہے، جس سے شعلے پیدا ہوتے ہین،

محمد بن تغلق شاہ کا عہدِ حکومت | شیخ مبارک انباتی سلطان محمد بن تغلق شاہ کے شان وشوکت جاہ و جلال اور خدم وحشم پر عام طور سے یون تبصرہ کرتے ہین:-

"مسند شاہی اپنے عظمت وجلال، اور قوانین شاہی اپنے عدل وانصاف، اور نظامِ حکومت اپنے ضبط ونظم مین ساری دنیا مین بے نظیر ہین، دنیا نے اس سے پہلے صرف دو نظارے دیکھے تھے، ایک سکندر ذوالقرنین کے وقت مین اور دوسرے ملک شاہ بن الپ ارسلان کے عہد مین، اور اب وہی شان وشوکت، جاہ وجلال اور کر و فر محمد بن تغلق کے عہدِ حکومت مین نظر آتا ہے۔"

گنجینۂ تحقیق

از جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ایڈوکیٹ اعظم گڈھ،

(۲)

سب سے بڑی شکایت مجکو جناب مصنف سے یہ ہے کہ انھون نے تبصرۂ اصلاحِ سخن کو قابلِ اعتنا اور درخورِ تعرض قرار دیا، یہ مانا کہ انھون نے نقد التبصرہ مین معانی و بلاغت کے دریا بہا دئے ہین، اور لطائفِ ادب کے جواہر بکھیر دئے ہین، مگر سوال یہ ہے کہ موضوع بحث کب اس قابل تھا کہ اُس کو اتنی اہمیت دی جاتی، اور اتنا بڑا مقالہ سپردِ قلم کیا جاتا،

ایک چاول پر پورا سورۂ اخلاص مع بسملہ لکھ دینا اور مکھی کی ایک ٹانگ ٹوٹنے پر سو بند کا مرثیہ کہہ ڈالنا کمالِ خطاطی اور اعجازِ پرگوئی سہی مگر کیا صحتِ ذوق کی بھی دلیل ہے،

اگر مروّت و دوست نوازی مین اس طرح کی غلطی ہو جائے تو اس خیال سے کہ دلیلِ بلند نظری ہے قابلِ معافی ہو سکتی ہے، لیکن غصہ مین صدائے بے ہنگام کو جواب کا مستحق سمجھ لینا سبکسری نہین تو اور کیا ہے؟

حضرت استاذ العلام علامہ شبلی کی کونسی تصنیف ہے، جس کی تردید کرنے والون نے نہین کی مگر انھون نے سب کا جواب محض ایک بے اعتنایانہ سکوت سے دیا،

خود تو کیا ان معترضین کو منہ لگا کر اپنی توہین اور انکی عزت افزائی کرتے، اپنے غلامون تک کو اس کی اجازت نہ دی،

گنجینۂ تحقیق کے چار مقالات کی نسبت تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ باکمال آسودگانِ خاک کی جانب سے دفاع عن الحق

کیا گیا ہے، اور اشعارِ غالب و خاقانی کی نسبت شارحین کی مہربانیون سے جو غلط فہمیان معمولی استعداد کے اشخاص کو ہو سکتی تھین، ان کا سدباب مقصود ہے، مگر تبصرۂ اصلاحِ سخن پر اس نکتہ سنجانہ مقالہ سے کونسا علمی یا اخلاقی فائدہ مدِنظر تھا،

ذیل مین تبصرۂ مذکور کی چند ابتدائی سطرین لکھ کر ناظرین سے انصاف چاہتا ہون کہ آیا یہ مضمون اس قابل تھا کہ کوئی اہلِ نظر اس پر التفات کرے،

"دنیا مین اپنی نوعیت کی یہ پہلی تالیف ہے جس پر مین نقد و تبصرہ کا وہ اخلاقی فرض ادا کر رہا ہون جو کہ مجھ پر مکرر سکرر فرمائشون سے عائد کیا گیا ہے، اور جس نے میرے مضبوط ارادہ کو متزلزل کر دیا ہے کہ اردو شعر و شاعری پر نقد و تبصرہ نہ کرون گا،"

آپنے کچھ سمجھا کہ پہلے فقرہ کا مفہوم کیا ہے؟ کیا صاحبِ تبصرہ یہ کہنا چاہتے ہین کہ زیرِ تبصرہ کتاب دنیا مین اپنے رنگ کی پہلی کتاب ہے، یا انکا مقصد یہ ہے کہ اس صنف کی اور کتابون مین سے یہ پہلی تالیف ہے جسکو تبصرۂ ناطق کا شرف حاصل ہو رہا ہے، خیر یہ معما حل ہو یا نہو دنیا کی معلومات مین اتنا اضافہ اس فقرہ سے ضرور ہوتا ہے کہ ہر فرمائش کی تعمیل بھی ایک فریضۂ اخلاقی ہے جسکو علم الاخلاق کے مصنفین نے اب تک نظر انداز کیا تھا، دوسرا فقرہ تو حسنِ ترکیب کا معجزہ ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اپنے نقد و تبصرہ سے محرومی کے لئے اردو شعر و شاعری کو مخصوص کر دیا ہے، اور یہ اعزاز اب صرف دیگر السنہ کی قسمت مین ہے، دیکھئے کس زبان کو حاصل ہو اور کب حاصل ہو، غالباً اسی وقت دنیا والون کو یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ "سکرر" کس زبان کا لفظ ہے، اور ایک سوقیانہ غلط العوام کی گنجائش ایک سنجیدہ علمی تحریر مین بھی ہو سکتی ہے یا نہین؟

ناظرین نے تبصرۂ اصلاحِ سخن کی محولہ بالا سطور سے پورے مضمون کی سطح کا اندازہ کر لیا ہوگا،

سالے کہ نکوست از بہارش پیدا است

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی ایسی تحریرین شایانِ التفات ہو سکتی ہین، ؟ خدا کے بندے اپنی گرم بازاری کیلئے

کیا کیا نہین کرتے اور کیا کچھ نہین کہتے، اہلِ نظر سب دیکھتے ہین سنتے ہین اور خاموش رہتے ہین، ہر ایک سے تعرض کرتے پھرین تو عمر گرانمایہ انھین مزخرفات کی نذر ہو جائے،

آئے دن بازارون مین کچہریون مین اور چوراہون پر شعبدہ باز دوافروش اپنی عجیب و غریب صداؤن کی بدولت حمقا کی ایک جماعت اپنے گرد فراہم کر لیتے ہین، اور کراماتی پڑیا کے کرشمے اپنے معتقدین کو دکھا کر کچھ ٹکے سیدھے کرتے رہتے ہین، بڑے بڑے حاذق اطبا یہ تماشے دیکھتے ہین اور تبسم کنان گذر جاتے ہین کوئی ان شعبدہ بازون سے الجھتا نہین، اور اگر الجھے تو خود ایک مایوس العلاج مریض ہو گا"

دوسری شکایت مجکو مصنف گنجینۂ تحقیق سے یہ ہے کہ اُنھون نے حدائق البلاغت کا ترجمہ بغیر کسی نوٹ کے اپنے مضمون مین درج کر دیا، حالانکہ سرقات شعریہ کی نسبت مصنف حدائق البلاغت کی بعض رائین قابلِ قبول نہین ہین، مثلاً حسب ذیل اشعار مین حزین کے شعر کو مصنف حدائق البلاغت نے جامی کے شعر کا سرقہ سمجھا ہے،

(جامی) میل خم ابروئے توام پشت دوتا کرد ۔۔۔ در شہر چو ماہ نوم انگشت نما کرد،

(حزین) بار غم عشق تو مرا پشت دوتا کرد ۔۔۔ در شہر چو ماہ نوم انگشت نما کرد،

حالانکہ حزین کا شعر نہ سرقہ ہے نہ توارد ہے، نہ ان دونون امور مین سے کسی ایک کا امکان ہے، حزین جیسے شاعر کو جامی کے شعر کا سرقہ کرنیکی بھلا کیا ضرورت ہو سکتی تھی، اور توارد اسلئے ممکن نہین کہ حزین یقیناً جامی کے اس شعر سے واقف تھے،

واقعہ یہ ہے کہ شعر حزین اصلاح شعرِ جامی ہے، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر مین اگرچہ بہت سے لفظی مناسبات فراہم ہو گئے تھے، مثلاً میل، خم، ابرو، مگر رعایت لفظی کے پھیر مین معنی کا خون ہو گیا تھا، عشق خم ابرو کی وجہ سے کمر ٹوٹ جانا ایک مضحکہ انگیز سی بات تھی، البتہ غم کے بوجھ سے پیٹھ جھک جانا لگتی ہوئی بات ہے، حزین نے لفظی ضلع جگت پر معنویت کو ترجیح دے کر اس شعر کی اصلاح کر دی، اسی طرح

سرقہ غیر ظاہر کی قسم سوم و چہارم جو صاحب حدائق نے بیان کی ہے، وہ خود اور قسم سوئم کی مثال مین شعر جامی کو جو ترجیح دی ہے، وہ محلِ نظر ہے،

جامی کا شعر:۔

سرو گفتم قدِ ترا وازِ شرم، ۔۔۔ سر بہ بالانی توانم کرد،

امیر خسرو کے اس شعر سے

سرو گفتم کہ بہ بالاے تو ماند لیکن ۔۔۔ نتوانم کہ ازین شرم بہ بالا نگرم

کسی طرح بہتر نہین ہے، یہ مانا کہ جامی کا شعر مختصر ہے، مگر ساتھ ہی معانی کی لطافت کا بھی تو خون ہو گیا، اولاً تو خسرو کے مصرعہ اول مین قدِ یار کو معیارِ حسن قرار دے کر سرو کو اُس سے مشابہ کیا گیا ہے اور جامی نے سرو کو معیار حسن قرار دے کر قدِ یار کو استعارۃً سرو کہا ہے، وشتان بینہما

ثانیاً خسرو کا دوسرا مصرعہ بھی جامی کے مصرعۂ ثانی سے کہین بلند ہے ؎

"نتوانم کہ ازین شرم بہ بالا نگرم"

محتمل المعنیین ہے، اس سے یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہین کہ سرو کو قدِ یار سے تشبیہ دیکر جو گستاخی کی ہے، اس کے بعد پھر قامتِ یار کو دیکھنے کی ہمت مارے شرم کے نہین ہوتی، دوسرے یہ معنی بھی ہوتے ہین کہ شرم کے مارے نگاہ اوپر اوٹھتی ہی نہین، بہر صورت "نتوانم کہ بہ بالا نگرم" کا ٹکڑا "سر بہ بالا نی توانم کرد" سے بمراحل بلند ہے، خود نگریستن اور "گردن" کا فرق ترجیح شعر خسرو کے لئے کافی ہے،

یہان پر ایک نکتہ قابلِ ذکر ہے، دو مختلف کلامون مین بظاہر مفہوم کی یکسانی یا بعض الفاظ کا مترادف ہونا ہی اخذ و استفادہ کی دلیل نہین ہو سکتی، بلکہ خیال کی اصلی روح پر نظر ہونی چاہیئے، بسا اوقات ذرا سے فرق سے زمین و آسمان کا فاصلہ اور شعبدہ و اعجاز کا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے، نزول قرآن سے پیشتر سمویل بن عادیا نے ایک فخریہ شعر کہا تھا،

لنا جبل یحتلہ من نجیرہٗ
منیفٌ یرد الطرف وھو کلیل

(ہمارے قبضہ مین ایک پہاڑ ہے، جس پر وہی گذر سکتا ہے، جسکو ہم اپنا شرف ہمسایگی دین (جو ہماری امان اور حفاظت مین آئے) یہ پہاڑ اتنا بلند ہے جو نگاہ کو تھکا کر بازگشت پر مجبور کر دیتا ہے (یعنی غایت بلندی کی وجہ سے اُس تک نگاہ نہین پہنچ سکتی، اور تھک کر ناکام واپس آتی ہے) قرآن پاک سورہ ملک مین جہان خلقت سماوات کا ذکر ہے یہ ارشاد ہوتا ہے،

ما تری فی خلق الرحمٰن من تفٰوت، فارجع	تم کو خدا کی آفریدہ چیزمین کوئی نقص نہ ملے گا، غور سے
البصر ھل تری من فطور، ثم ارجع البصر	دیکھو کوئی فطور نظر پڑتا ہے، پھر دیکھو اور دوبارہ دیکھو
کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا	تمہاری نگاہ کھسیانی ہو کر ناکام واپس آئے گی، اور کہین سے
وّ ھو حسیر،	کوئی جوڑ سلوٹ یا نقص اُسکو نظر نہ آئیگا،

ایک چیز کو نقص نکالنے کی کوشش مین بار بار بغور دیکھنے سے نگاہ تھک سکتی ہے اور اپنے مقصد مین ناکامی کے بعد دیکھنے والا مجبوراً اپنی نگاہ اُس چیز سے ہٹائے گا، گویا نگاہ وہان سے واپس آنے پر مجبور ہو گئی، یہ عین فطرت کے مطابق ہے، لہذا قرآن کریم کا انداز بلاغت انتہائی زور بیان کے باوجود صدق حقیقی کا مظہر ہے، لیکن پہاڑ جیسے بڑے جسم کا بلندی کی وجہ سے نظر نہ آسکنا بالکل خلاف فطرت ہے بلکہ جتنا بلند ہو گا اتنا ہی اور فاصلہ سے بھی نظر آسکے گا، اسلئے سموئل کا شعر محض ایک بے معنی مبالغہ اور دروغ بے فروغ ہے، لیکن اگر جناب آرگس کی منطق نطق ربانی کو بھی شعر جاہلیت سے ماخوذ بتائے تو اس دور آزادی مین کون زبان پکڑ سکتا ہے، یہ بھی مثال اُن دو مماثل کلامون کی جو باہم دگر بالکل مشابہ ہونے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے قطعاً غیر متعلق ہوتے ہین اور اُن پر سرقہ توارد یا اخذ و استفادہ کا اطلاق نہین ہوتا،

صاحب حدائق نے جن مثالون کو سرقات خیفا ہر کے عنوان مین درج کیا ہے، انکا کوئی تعلق سرقہ سے نہین ہے

بلکہ وہ مثالین ہین اخذ کی جو نہ صرف جائز ہے بلکہ ہر متاخر کا فطری حق ہے جو اُسکو متقدم سے ارثاً ملتا ہے سہ

"دست بدست و یا یون ہی چلتا رہا ہے"۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اخذ و استفادہ کی کثیر الوقوع شکلون کی نسبت چند اشارات کر دیے جائین، اُس کی حسب ذیل صورتین ہو سکتی ہین،

۱۔ متاخر خیال تو اپنا رکھے مگر طرز ادا مین متقدم کا تتبع یا ترجمہ کرے، مثلاً قرآن کریم سورۂ قیامت مین انسان کی عالم جانکنی کا نقشہ ان الفاظ مین کھینچتا ہے،

کلا اذا بلغت التراقی ۝ وقیل من راقٍ	جب جانکنی کا عالم ہوتا ہے اور اعزہ و اقربا کہنے لگتے ہین کون ہے
وظن انہ الفراق،	جھاڑ پھونک کرنے والا اور حیات دنیا سے مفارقت کا خیال ہو جاتا ہے

اب یہان پر وقیل من راق مین نکتہ یہ ہے کہ من کا استفہام محتمل المعنیین ہے، یعنی سادہ استفہام بمعنی طلب بھی ہے اور استفہام انکاری بھی، اسی لئے من پر سکتہ ہے، یعنی پہلے تو مریض جان بلب کے علاج اور حصول صحت کے خیال سے اعزا و اقربا دعا تعویذ کرنے والے کو ڈھونڈتے ہین اور کہتے ہین من راق یعنی بتانا کون معالج بلایا جائے، کن شاہ صاحب سے دعا کرائی جائے، مگر جب دوا دعا سب کرکے تھک جاتے ہین اور کوئی نتیجہ نہین ہوتا تو پھر اسی جملہ کا اعادہ عالم یاس مین بطور استفہام انکاری کرتے ہین اور یہ کہتے ہین من راق اجی جب خدا ہی کو صحت دینی منظور نہین ہے تو کون دعا تعویذ کرنیوالا ہے اور ان تدبیرون سے کیا ہوتا ہے، حضرت غالب خود وسیع النظر اور بڑے بڑے فضلائے عصر کے صحبت نشین تھے، اور ظن غالب ہے کہ قرآن کریم کے اسی انداز بلاغت سے استفادہ کرکے، یہ شعر لکھا ہے سہ اور کمال یہ ہے کہ مضمون جداگانہ رکھا ہے،

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

یہلا مصرعہ بالکل استفہام قرآنی کا ترجمہ ہے اور دوسرے مصرعہ مین لفظ مکرر سے وہ کام لیاگیا ہے جو قرآن پاک مین من کے بعد سکتہ سے حاصل ہوتا ہے خدا کا شکر ہے کہ آرگس کی آنکھین بلاغت قرآنی کے جلوون سے منور نہین ہین، ورنہ محض لفظ حریف کی مطابقت اور مرد افگن و مرد آزما کے تشابہ کی بنا پر غالب کو ایک مجہول النسب شعر سے سرقہ کا الزام دینے کی زحمت کیون گوارا کرتے، سیدھے سے سرقہ قران کا الزام لگا دیتے، تو وا ذکر وا مو تنکم بالخیر کی مخالفت کا جو جہد کر رکھا ہے، اُس مین بوجہ احسن کامیابی ہوتی،

۲ دوسری صورت استفادہ کی یہ ہے کہ متقدم کا نفسِ مضمون اور طرزِ بیان دونون علی حالہ متاخر کے کلام مین قائم رہین، اسکی بھی کئی صورتین ہین، اگر غیر زبان کے کلام سے اپنی مادری زبان مین وہ خیال یا طرز ادا منتقل کیا جاتا ہے تو یہ سرقہ نہین ہے ترجمہ ہے اور ایک طرح کی لسانی خدمت ہے، جیسا کہ غالب نے شعر ماسبق یا ذیل کے اشعار مین کیا ہے،

عرفی۔ علم سوختہ اند اہل بہشت از غیرت — تا شہیدان تو گلگون کفنے ساختہ اند

غالب۔ اک خون چکان کفن مین کروڑون بناؤ ہین — پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدون پہ حور کی

عرفی۔ بطور مانگ نخبد منع دیدار — ولے این راز با موسیٰ مگوئید

غالب۔ کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہ طور کی

غالب کا شعر عرفی کے شعر سے باعتبار معنی کمتر ہے مگر چونکہ عرفی کے مصرعہ اول کا مفہوم غالب نے ایک شعر مین نہایت خوبی کے ساتھ ادا کر دیا ہے اور زبان اردو رکھی ہے، اس لئے معیوب نہین ہے، اگر بغیر کسی ترقی کے فارسی زبان مین غالب نے ایسا شعر کہا ہوتا تو ضرور سرقہ سمجھا جاتا، یا مثلاً سعدیؒ و میر کے اشعار ذیل،

سعدی، گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم — چہ بگویم کہ غم از دل برود چون تو بیائی

میر۔ کہتے تھے کہ یون کہتے یون کہتے جو وہ آتا — سب کہنے کی باتین ہین کچھ بھی نہ کہا جاتا

ترجمہ اتنا بلیغ ہے "اور کچھ بھی نہ کہا جاتا" کے ٹکڑے مین اتنی وسعت ہے کہ ترجمہ اصل شعر سے بھی بلند ہو گیا ہے،

غالب نے اسی بنیاد پر ایک فلک بوس قصر تعمیر کر دیا ہے،

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق — وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے،

یا مثلاً:۔ عرفی کا مصرعہ ہے، جس کا ترجمہ حضرت اقبال نے اسقدر بہتر کر دیا ہے کہ اہل ذوق وجد کرتے ہین،

عرفی:۔ ز اشتیاق آستانت سجدہ رقصد در جباہ،

اقبال:۔ کہ ہزارون سجدے تڑپ رہے ہین مری جبین نیاز مین؛

اسی خیال کو تغیرِ الفاظ کے ساتھ حضرت استاذ العلام نے اتنے بلیغ پیرایہ مین ادا کیا ہے، جس کی داد عرفی ہی دیسکتا تھا،

ارمغانے نبود در خور خاک در او

مگر آن سجدہ کہ آمادہ بہ سیما ماند

یا مثلاً حضرت داغ کا ایک شعر ہے،

یہ مصرعہ لکھ دیا ظالم نے میری لوحِ تربت پر

جو ہو فرقت کی بیتابی تو یہ خوابِ گران کیون ہو

بجنسہ یہی خیال ایک قدیم عربی شعر مین ادا کیا گیا ہے،

اب اگر حضرت داغ عربی کے شعر یا اُس کے ترجمہ سے واقف تھے تو شعرِ داغ ترجمہ ہوگا ورنہ توارد سمجھا جائے گا، کیونکہ توارد کے لئے یہ ضروری ہے کہ متقدم کے خیال سے متاخر کو واقفیت نہ ہو، مثلاً یہ خیال کہ مصائبِ حیات سے گھبرا کر کبھی کبھی انسان خودکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر دنیا کے تلخ تجربات اور عالم آخرت کے متعلق انسان کی بے خبری وہ اسباب ہین جن کی بنا پر حیات دنیاوی سے رہائی کی کوشش

کرتے ہوئے بھی جی ڈرتا ہے ایک عامۃ الورود خیال ہے جسکو شکسپیر نے ہیملٹ کی زبان سے بہت بلیغ پیرایہ مین ادا کیا ہے (TOBEORNOTTOBE) ذوق اور غالب دونون انگریزی زبان سے نا آشنائے محض تھے، اور یقیناً شکسپیر کی اس نظم سے اُن کو کوئی واقفیت نہ تھی، تاہم دونون نے یہ خیال اپنے اپنے رنگ مین ادا کیا ہے، اور اتنا بہتر ادا کیا ہے کہ شکسپیر سے بھی نہ ہوسکا،

ذوق — اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مرجائین گے — مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائین گے،

غالب — ہائے وان بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا — لے گیا تھا گور مین ذوقِ تن آسانی مجھے

ان معروضات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ سرقہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ خیال، طرزِ بیان اور زبان تینون ایک ہون، اور متاخر کو متقدم کے کلام سے واقفیت ہو، اگر ان چہارگانہ شرائط مین سے ایک بھی پائی نہین جاتی، تو اخذ ہو، استفادہ ہو، تتبع ہو، ترجمہ ہو، یا توارد ہو، مگر سرقہ ہرگز نہ ہوگا،

سرقہ کی بدترین صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی متقدم کا خیال لے کر اپنی عبارت کے پردے مین چھپانے کی کوشش کیجائے، اور اس سعیِ اخفا مین شعرِ اُستاد کی اصلی روح فنا ہو کر رہجائے، مثلاً غالب کا شعر تھا،

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین،

جناب امیر مینائی فرماتے ہین:۔

کیون نہ مرجایئے اب اُن کی اداؤن پہ امیر
قتل کرتے ہین مگر ہاتھ مین شمشیر نہین

غالب کے شعر کی جان سادگی کا لفظ تھا وہی یہان سے غائب ہے، پھر قتل کیے جانے کے بعد مرجانا کونسا کمال ہے،

یا مثلاً استاد کا شعر تھا:۔

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در طریقت ما غیر ازین گناہے نیست

اس شعر کی اصلی روح یہ تھی کہ لفظ آزار بطور ترجمہ لفظ ظلم استعمال ہوا تھا، ظلم کے معنی ہین وضع الشئی فی غیر محلہٖ، شریعت غرائے اسلامیہ نے صرف اسی چیز یعنی (فعل بے محل) کو معصیت قرار دیا ہے اور عدوان یا ظلم کے لقب سے جملہ اقسامِ معاصی کو یاد کیا ہے، حضرت آدم شجرۂ ممنوعہ سے تمتع اٹھاتے ہین اور جنت سے زمین پر پھینکے جاتے ہین تو فرماتے ہین، ربنا ظلمنا انفسنا، حضرت لقمان اپنے بچے کو شرک باللہ سے بچنے کی وصیت کرتے ہین تو فرماتے ہین، ان الشرک لظلم عظیم، غرض کوئی معصیت شرعی نہین جو ظلم نہ ہو، یہی نکتہ شرع ہے، جو مذکورۂ بالا شعرِ اُستاد مین بیان ہوا تھا اب کسی نافہم نے شعر مذکور کی حقیقی روح کو نہ سمجھ کر اپنے خیال مین اُسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے،

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن — ہرچہ خواہی کن ولیکن مردم آزاری مکن

اس شعر مین اولاً تو زبان دیو بندون ہزار دست کی ہے، ثانیاً کیا شراب پینا، مصحف جلانا، یا کعبہ مین آگ لگانا ظلم اور دل آزاری نہین ہے، سرقہ مذموم تکرار معیوب، اور ابہام ناروا کی بہترین مثال ذوق کا سہرا ہے، یہان مثالاً چند اشعار درج کیے جاتے ہین:۔

سرقہ مذموم

غالب، خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا — باندھ شہزادہ جوان بخت کے سر پہ سہرا

ذوق، اے جوان بخت مبارک ترے سر پہ سہرا — آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

واضح رہے کہ نوشاہ کا خود نام جوان بخت ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ غالب کے سہرے کا جواب ذوق نے دیا ہے:۔

اب ملاحظہ فرمایئے حضرت غالب خود "بخت" کو مبارکباد دیتے ہین کہ اُسے شہزادہ جوان بخت کے سر

سہرا باندھنے کا شرفِ خدمت نصیب ہوا، پھر نوشہ کے نام سے پہلے تعظیماً لفظ "شہزادہ" کا اضافہ ہے، اور خود نام ایسی خوبی سے آیا ہے کہ صفت معلوم ہوتا ہے، برعکس اس کے ذوق نے ایک تو خالی نام باندھا، ثانیاً بجائے بخت و اقبال کو مبارکباد دینے کے خود دولھا کو مبارکباد دیکر تخیلِ شعرِ غالب کو بدرجہا پست کر دیا، اور دوسرے مصرع میں "آج" کی تخصیص نے تو شعر کو مدح کے بجائے ذم بنا دیا، گویا آج سے پہلے نوشاہ کو یمن و سعادت سے کوئی واسطہ نہ تھا، محض سہرے کے طفیل مین آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا،

غالب۔ سات دریا کے فراہم کیے ہونگے موتی　　تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

ذوق۔ اک گہر بھی نہیں صد کان گہر میں چھوڑا　　تیرا بنوایا ہے لے لیکے جو گوہر سہرا

غالب کے شعر میں الفاظِ زیرِ خط قابلِ توجہ ہیں، موتی عموماً مختلف الاشکال، مختلف اللون اور مختلف القامت ہوتے ہیں، اسلئے ایک قد اور ایک خاص انداز کے بڑے بڑے، شفاف، ہموار، سڈول اور قیمتی موتیوں کا چھانٹنا اور وہ بھی گز بھر لمبے سہرے کے لیے بہت دشوار ہے، غالب کا قیاس ہے کہ غالباً ساری دنیا کے موتی فراہم کیے گئے ہوں گے تب کہین جا کر ان موتیوں کا انتخاب ہو سکا ہوگا، انتہائی مبالغہ کے باوجود غالب کا شعر عین فطرت کے مطابق ہے جسکی صداقت کا امکان ہے، علاوہ برین غالب "بنا ہوگا" کہتا ہے، جو محض ظن و تخمین ہے ذوق کی طرح "بنوایا ہے" کہکر بیانِ واقعہ نہیں کرتا، لہذا غالب کے شعر میں کوئی امر عقلاً مستبعد نہیں ہی اب حضرت ذوق کا جوابی شعر دیکھیے، اولاً تو کوئی مصرع لفظی تعقید سے خالی نہیں ہے، اور مصرعۂ ثانی مین تو اجتماعِ تعقیدین نے شعر کو غارت کر دیا ہے، ثانیاً باعتبارِ مفہوم اس شعر کی نثر یہ ہوگی، "جواہرات لیتے گئے ہیں اور تیرا سہرا بناتے گئے ہیں، ایک گوہر بھی چھوڑا نہیں، اس طرح جواہرات کی سو کانیں بالکل خالی کر دی ہیں"،

شعر سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کتنا بڑا سہرا ہے، مزید بران جواہرات مین کسی خاص انداز یا خاص حیثیت کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ بقول ذوق ایک بھی چھوڑا نہیں ہے، سب کے سب خواہ کسی رنگ، کسی قد، کسی وزن، کسی شکل اور کسی حیثیت کے ہوں بلا امتیاز سہرے میں گوندھ دئے گیے ہیں، سبحان اللہ یہ سہرا کاہے کو ہوگا

بجائے خود ایک پہاڑ ہوگا، تعجب ہے کہ نوشہ نے اسکو سنبھالا کیونکر!

اس سے زیادہ بے معنی اور مکروہ جھوٹ کی مثال کیا ہو سکتی ہے، ذوق نے غالب کا شعر سامنے رکھکر ترقی کی کوشش کی مگر ناکام رہے،

لطیفہ۔ غالب نے سات دریا کہے تھے، جناب ذوق نے صد کان گہر کہا، "سات" کا جواب "سو" دیا پھر بھی کمی رہ گئی، سات دریا یعنی ساتوں سمندر کے بعد پھر کوئی سمندر دنیا میں باقی نہیں بچتا، لیکن صد کان گہر کہنے کے بعد بھی ہزاروں معادن باقی رہتے ہیں،

الغرض کہاں تک عرض کیا جائے، حضرت ذوق کا پورا سہرا غالب کے سہرے سے نقالی کی ایسی ہی سعی ناکام ہے، اور جہاں کہین کوئی نئی بات کہنی چاہی ہے، وہاں اس سے بھی زیادہ شدید تر معائب شعری پیدا ہو گئے ہین،

مثلاً ذوق کا یہ شعر۔

رونمائی مین تجھے دے مہ و خورشید فلک　　کھول دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا

اولاً تو رونمائی دولھا کو نہیں دی جاتی، دولھا کوئی پردہ نشین تو ہوتا نہیں، البتہ دولھا کو سلامی دیتے ہین،

ثانیاً۔ منہ سے سہرا اٹھانے کے بعد ظاہر ہے کہ منہ ہی کھلتا، پھر یہ بار بار منہ کی تکرار کیا، اور اگر منہ بمعنی دہن ہے، تو پھر اس شعر کی مضحکہ انگیزی کا کیا کہنا، جسوقت دولھا سہرے کو چہرے سے اُٹھا کر دہن کھول رہا یا دانت نکال رہا ہو اس وقت کسی مصور کو کیمرا لیکر سامنے رہنا چاہیے،

اب ایہامِ ناروا کی مثال لیجیے،

حضرت ذوق فرماتے ہین:۔

تابنی اور بنے مین رہے اخلاص بہم　　گوندھے سورۂ اخلاص کو پڑھکر سہرا

اس پورے شعر کی بنیاد لفظ اخلاص کا وہ مجازی مفہوم ہے جو عموماً بمعنی صدق محبت اردو زبان مین مستعمل ہے، لیکن اس شعر کے لکھتے وقت غالباً جناب ذوق نے خود سورۂ اخلاص کے معانی کی طرف توجہ نہین کی، شادی کے وقت سورۂ اخلاص سے زیادہ بے محل شاید ہی کوئی آیت قرآنی ہو، کیونکہ یہان توالد وتناسل اور زوجیت سب کی نفی ہے، یہ تو ویسا ہی ہوا کہ بچے کی پیدایش پر ھو اللہ المنتقم الممیت القہار کا وظیفہ پڑھا جائے، یا ذبیحہ کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بچے کے مکتب کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھین، اگر واقعۃً زوجین مین خلوص محبت کی تمنا ہے، تو سورۂ نساء کی آیات یا دوسری مناسب محل آیات پڑھنی چاہئین، سورۂ اخلاص جس مین نفی زوجیت ہو اور جسکو اخلاص کے اصلی لغوی معنون یعنی پاکی براءت اور قطعِ تعلق کے اعتبار سے سورۂ اخلاص کہتے ہین، اس موقع پر پڑھنا بدشگونی نہین تو اور کیا ہے،

غالب، ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہون گے موتی ورنہ کیون لائے ہین کشتی مین لگا کر سہرا

ذوق، آج وہ دن ہے کہ لائے درِ انجم سے فلک کشتی زرین مہِ نو کی لگا کر سہرا

یہ امر واقعہ ہے کہ سہرا کشتی مین لگا کر لایا گیا، غالب اپنے شعر مین اس واقعہ کی شاعرانہ توجیہ بیان کرتے ہین، ذوق جب اسطرح کے حسن تعلیل سے قاصر رہے تو ایک علٰحدہ خیال ادا کرنا چاہا، مگر وہ مدح کے بجائے ذم بن گیا، یعنی اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ دن تو آج وہ تھا کہ آسمان گہرہائے انجم کا سہرا گوندھ کر اور ماہِ نو کی کشتی مین لگا کر لاتا، بقیہ واقعہ محذوف ہے جو آپکا تخیل پورا کرے گا مگر افسوس دولہا کی بدنصیبی سے ایسا ہوا نہین اور وہی معمولی سہرا کشتی مین لگا کر لایا گیا،

نمبر ۳ اخذ و استفادہ کی ایک تیسری صورت یہ ہے کہ متقدم کا خیال بجنسہٖ قائم رہے اور پیرایۂ بیان بدل دیا جائے مگر اس پیرایۂ بیان کے تغیر سے خیال سابق کی روح فنا نہ ہو، یہان مثال کے طور پر عرفی و غالب کے اشعار ذیل مین درج کئے جاتے ہین، متاخر یعنی غالب کا شعر سرقہ نہیں ہے، بلکہ استفادۂ جائز یا ترجمۂ احسن ہے،

عرفی: از من بگیر عبرت وکسبِ ہنر مکن، با بختِ خود عداوتِ ہفت آسمان مخواہ

غالب، ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

ظاہر ہے کہ عرفی کا خیال بجنسہٖ غالب کے شعر مین قائم ہے اور محض پیرایۂ بیان بدل دینے سے غالب کا شعر کتنا بلند ہو گیا ہے،

نمبر ۴ چوتھی صورت استفادہ کی یہ ہے کہ کوئی قدیم یا عام خیال لیکر ایک ذرا سے اضافہ سے اسکو بہت بلند کر دیا جائے جیسے یہ بات ہمیشہ سے سب کہتے آئے تھے کہ اگر جو بِکم نہ بو دے، ہیچ مرغ در دام نیفتادے، سعدیؒ نے اس مین اتنا اور اضافہ کر دیا "بلکہ صیاد خود دام نہ نہادے"، دیکھئے اتنے سے اضافہ نے خیال کو کہان سے کہان پہنچا دیا، یا مثلاً فیضی کا شعر تھا:۔

دریاب کہ ماندہ است ز دل قطرۂ خونے

آن قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

اس شعر مین فیضی نے محبوب کے ظلم سے دل کی بربادی کا دکھڑا رویا ہے کہ اب دل مین صرف ایک بوند لہو کی رہ گئی ہے اور وہ بھی تیرے ہاتھون نذرِ خاک ہوا چاہتی ہے، "دریاب" کی فریاد بتاتی ہے کہ التجائے کرم کے لئے شکوۂ ستم کیا گیا ہے، یہان سے غالب کو ایک لطیف شاعرانہ اور حکیمانہ خیال پیدا ہوا، وہ یہ کہ دل کی تخلیق خود ایک قطرۂ خون سے ہوئی ہے گویا دل بجائے خود محض لہو کی ایک بوند ہے، پھر اس کی صنوبری شکل اور پہلو مین اُسکا سرنگون اندازِ آویزش بتاتا ہے کہ یہ قطرۂ خون اب گرا ہی چاہتا ہے،

نوٹ۔ دل کی صورت بیضوی ہے اور زمین کی کششِ ثقل یہی شکل اپر گرتے ہوئے قطرے کی بنجاتی ہے،

اس خیال کو غالب نے اس شاعرانہ پیرایہ مین ادا کیا ہے:۔

بساطِ عجز مین تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی سو رہتا ہے بہ اندازِ چکیدن سرنگون وہ بھی

ظاہر ہے کہ فیضی کا ایک ذرہ لیکر غالب نے حسن تعلیل سے ایک آفتاب بنا دیا ہے، فیضی کی فریاد ایک دعوی بے دلیل تھی، غالب نے ایک ذرا سے تغیر کے بعد ایک شاعرانہ خیال کو فطری او طبیعی دلائل سے ثابت کر دکھایا ہے، فیضی کے شعر مین دل کی بے مایگی کا رونا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اُس کے پاس کافی ذخیرۂ خون تھا جو نذر ستم ہوا، اور اب بھی ایک قطرہ رہ گیا ہے، جو ٹپکا چاہتا ہے، مگر برعکس اُس کے غالب دل کے افلاس موجودہ کا ماتم نہین کرتا بلکہ خود اپنی ازلی تہی دستی پر فریاد کر رہا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ لے دے کر اپنی ساری کائنات ایک دل تھا اور دل کی حقیقت کیا تھی محض لہو کی ایک بوند سو وہ بھی سرنگون ہے اور تراوش کے لئے بے قرار، فیضی "از دست تو" کہکر محبوب کی ستمگاری اور اپنی مظلومی کا اظہار کرتا ہے، اور غالب "بہ انداز چکیدن سرنگون" کہکر اپنی فطری محرومی پر اشک حسرت بہا رہا ہے، وشتان بینھما یا مثلاً استاد کا شعر تھا:-

زپاے تابقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشند کہ جا اینجاست

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی خیال ایک تشبیہ کے ذرا سے اضافے سے کتنا بلند کر دیا ہے ملاحظہ ہو:-

بر سراپاے جمال تو نگاہم گوئی   رہروی ہست کہ از ضعف بہر جا ماند

(باقی)

خلفاے راشدین

سیر الصحابہ کا حصہ اول

یہ چارون خلفاء کے ذاتی حالات فضائل اور مذہبی و سیاسی کارنامون اور فتوحات کا آئینہ ہے مجسم ۵۰۰ صفحے، قیمت :- ہے

"منیجر"

عمر خیام کا ایک نادر نسخہ

از مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی رامپوری

(۴)

۵۲ در خواب بدم مرا خردمندے گفت   کز خواب کسے را گل شادی نشگفت

کارے چہ کنی کہ با اجل باشد جفت   می خور کہ بزیر خاک می باید خفت

مطبوعہ رباعیات مین چوتھے مصرع مین، مے خور کی جگہ برخیز تحریر ہے، جو خیام کے فلسفۂ زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے درست نہین معلوم ہوتا، اس کے نزدیک خواب، عام غفلت کا نام نہین ہے، جس کو دنیا بیداری اور ہوشیاری سمجھتی ہے، وہ اسے خواب جانتا ہے، اس لئے کہتا ہے، کہ آخر یہ عقل بیکار کر، فانی عمر کو رائگان کر دینا کہان کی ہوشیاری ہے، اٹھو اور شراب پیو، ورنہ کوئی دم جاتا ہے کہ مٹی کے ڈھیر کے نیچے دبا دیئے جاؤ گے،

۵۳ من مے خورم و مخالفان از چپ و راست   گویند مخور بادہ کہ دین را اعداست

چون دانستم کہ مے عدوے دین ست   واللہ بخورم، خون عدو کے نہ رواست؟

مطبوعہ نسخون مین چوتھا مصرع اس طرح لکھا ہے:- واللہ بخورم خون عدو را کہ رواست،

اس صورت مین دونون مصرعے ہم معنی ہین، لیکن زیر بحث قلمی نسخہ مین نقطہ کے نہ اس طرح لکھا گیا ہے، کہ "گو نہ" بھی پڑھا جا سکتا ہے، اگر یہ ہو تو معنی بدل جائین گے، اور مقصد یہ ہوگا، کہ، جب شراب دین کی دشمن ہے تو ضرور پینا چاہئے، کیونکہ گو مذہباً دشمن کا خون مباح نہین، لیکن ہے تو وہ دشمن ہی اچھا ہے مخالف گھٹا کے دور ہو جانے سے دین کا مطلع صاف ہو جائیگا، یہ بھی ممکن ہے، کہ گو بمعنی گو کہ نہ ہو، بلکہ یہ لفظ گونہ ہو، اور مقصد یہ ہو، کہ، دشمن کا خون کچھ نہ کچھ تو ضرور مباح ہے، یا کسی نہ کسی حیثیت سے تو یقیناً جائز ہے" اس صورت مین معترضین کے ریاکارانہ زہد و

تقوی پر بھی اعتراض ہوجاتا ہے، اس گروہ کی یہ عادت مشہور ہے کہ اپنے مدعا کے راستے مین جو موانع حائل ہوتے ہین ان کے دور کرنے کے لئے جواز کی صورتین پیدا کر لیا کرتے ہین، یہی دلیل طنزاً خیام استعمال کرتا ہے کہ جب یہ دشمن دین وایمان ہے تو اُس کا خون پینے کے لئے تو ضرور وجہ اباحت ہونا چاہئے، کیون کیا فتوی دیتے ہو

۵۴ مے خور کہ بزیر گل بسے خواہی خفت　　بے مونس و بے حریف و بے بادۂ جفت

ہر لالہ پژمردہ نخواہد بہ شگفت　　زنہار مگو بکس تو این راز نہفت

مطبوعہ رباعیات مین تیسرا مصرع موخر اور چوتھا مقدم ہے، دوسرے مصرع مین بجائے "بے بادۂ جفت" کے "بے ہمدم وجفت" ہے، اگر یہ اچھا نہین، مونس اور ہمدم دو مترادف لفظ بے فائدہ اکھٹے ہوتے ہین، بادہ نہ صرف اضافہ کرتا ہے، بلکہ اس کے فلسفۂ حیات پر بھی حاوی ہے، چوتھا مصرع اس نقطہ کو روشن کر رہا ہے، اگر خیام شراب نوشی یا بالفاظ دیگر عیش کوشی کی تلقین نہین کرتا ہے، تو یہ کیون کہتا ہے، کہ یہ بات کسی اور سے نہ کہنا ظاہر ہے، کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے، کہ عام دماغ اس خیال کے حامی نہین ہین ان کے نزدیک یہ مذہبی احکام کی خلاف ورزی ہے، خیام کی تلقینِ شراب کو وہ لوگ الحاد و زندقہ کہین گے اس لئے وہ منع کرتا ہے کہ اپنے دماغ تک محدود رکھنا، خواہ مخواہ کیون ہدف تیر ملامت بنا جائے،

۵۵ دوران جہان بے مے و ساقی حشوست　　بے زمزمۂ نائے عراقی حشوست

ہر چند در احوال جہان می نگرم　　حاصل ہمہ عشرت ست، باقی حشوست

مطبوعہ رباعی مین، تینون مصرعون مین حشوست کے بجائے ہیچ است ردیف ہے، ہیچ بمعنی ناکارہ اور حشو بمعنی فضول ہے، ترجیح کسی کو نہین دیجا سکتی،

۵۶ بر لوح نشان بودنیہا بودہ ست　　پیوستہ قلم زنیک و بد آسودہ ست

اندر تقدیر انچہ بایست بداد　　غم خوردن و کوشیدن ما بیہودہ ست

الہ آبادی نسخہ مین "بر لوح" کے بجائے "ازین پیش" درج ہے، لاہوری نسخہ مین "بر لوح" لکھا ہے،

یہی مرجح ہے، لوح سے مراد لوح محفوظ ہے، اور رباعی کا مفہوم حدیث شریف "جفت القلم بما یکون" سے ماخوذ ہے،

۵۷ با ہر بد و نیک، راز نتوانم گفت　　کوتہ سخنم، دراز نہ توانم گفت

حالے دارم، کہ شرح نتوانم کرد　　روزے دارم، کہ باز نتوانم گفت

الہ آبادی نسخہ مین "کوتہ سخنم" کے بجائے "دارم سخنے" اور لاہوری نسخہ مین "دائم سخنے" درج ہے "شرح نتوانم کرد" کے بجائے الہ آبادی مین "نتوانم داد" اور لاہوری مین "نتوان دادن" ہے "روزے دارم" کی جگہ دونون مطبوعہ نسخون مین رازے تحریر ہے، یہی درست معلوم ہوتا ہے،

۵۸ گردون کمرے، زعمر فرسودۂ ماست　　جیحون اثرے زاشکِ پالودۂ ماست

دوزخ شررے، زرنج بیہودۂ ماست　　فردوس دمے زوقت آسودۂ ماست

"گردون کمرے" کے بجائے الہ آبادی نسخہ مین "گردون گھرے" اور لاہوری نسخہ مین "گردون نگرے" درج ہے، یہ دونون لفظ مصحف معلوم ہوتے ہین، آسمان ایک محدب سرپوش سا نظر آتا ہے جو کہ بڑھاپے مین انسان کی پیٹھ اٹھ آتی ہے، اور پیٹ اندر کو گھس جاتا ہے، شاعر اس مناسبت سے گردون کو اپنی بوڑھی اور پرانی کمر کہتا ہے، "اشک پالودہ" کی جگہ دونون نسخون مین "چشم پالودہ" تحریر ہے، پالودن کے معنی صاف کرنا ہین، اس لئے پالودہ آنکھ کی بھی صفت ہوسکتی ہے، اور اشک کی بھی، لیکن مناسب یہی ہے کہ یہان "اشک" ہو، خیام جیحون دریا کو اثر کہتا ہے، دریا کا پانی آنسوؤن کا اثر ہوسکتا ہے آنکھ کا اثر نہین کہا جاسکتا، اور اگر آنکھ کا اثر کہہ بھی دیا جائے تو یہ اطلاق بواسطہ ہوگا، اس لئے قریبی علاقہ چھوڑ کر بعید اختیار کرنا درست نہین،

۵۹ چون چرخ بکام یک خردمند نگشت　　خواہی تو فلک ہفت شمر خواہی ہشت

چون باید مرد، بود نیہا ہمہ ہشت　　چہ مور بگور ما دچہ گرگ بدشت

مطبوعہ نسخون مین "پیام" کی جگہ بکام درج ہے، تیسرا مصرع الہ آبادی نسخہ مین یون لکھا ہوا ہے ؎
چون باید مرد آرزو چہ ہیچ، لاہوری مین ہیچ کے بجائے ہست مبین ہے، چوتھا مصرع دونون مین
اس طرح ہے،

چہ مور خورد بگور و چہ گرگ بدشت،

ہشت ہشتن بکسر ہاے سے مشتق ہے، مقصد یہ ہے کہ جب دنیا سے کوچ کرنا لابد ہے تو ساری
موجودات سے قطع تعلق کرلو، یہ سب چیزین ناکارہ اور چھوڑ دینے کے قابل ہین،

۶۰ شاہی مطلب، کہ حاصل عمر دمیست — ہر روز زخاک، کیقباد و جمیست
احوال جہان و اصل این عمر کہ ہست — خوابے و خیالے، و فریبے و دمیست

مطبوعہ نسخون مین، شاہی کی جگہ شادی اور ہر روز کے بجائے ہر ذرہ درج ہے "اصل این عمر" کے
عوض الہ آبادی نسخہ مین "حاصل عمر" ہے، قلمی رباعی کا مطلب یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان
کو صرف چند لمحون کی فرصت ہے، یہ لمحے گذرے اور خاک مین مل کر خاک ہوگیا، اس لئے انسان کو ریاست اور
شاہی کی آرزو نہ کرنا چاہئے، دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالو، روزانہ کیقباد و جم پیدا ہوتے ہین اور روزانہ مٹی
مین مل جاتے ہین، در اصل عمر خواب و خیال، اور خالص دھوکا ہے،

۶۱ این طرفہ رباط را کہ عالم نامست — آرام گہ ابلق صبح و شام ست
بزمے ست کہ واماندۂ صد جمشید ست — گورے ست کہ صد تکیہ گہ بہرام ست

مطبوعہ نسخون مین طرفہ رباط کی جگہ کہنہ رباط لکھا ہے، چوتھا مصرع اس طرح درج ہے، ؎
قصریست کہ تکیہ گاہ صد بہرام ست، کہنہ سے طرفہ اور قصریست کے مقابلہ مین گوریست
بہتر ہے،

۶۲ بلبل چو بباغ نالہ بر دست گرفت — می باید ہچو لالہ بر دست گرفت

زان پیش کہ مردان دہر از سر جہل — گویند فلان پیالہ بر دست گرفت

الہ آبادی نسخہ مین تیسرے مصرع کے اندر لفظ دہر نہین ہے، لاہوری نسخہ مین دہر کے بجائے
مرا لکھا ہے،

۶۳ تا کے زچراغ مسجد و دود کنشت — تا کے ززمان دوزخ و بود بہشت
رو بر سر روز اولین شو کہ قضات — انچہ از بد و نیک بودنی بود نوشت

مطبوعہ نسخون مین، دوسرے مصرع کے اندر زمان کی جگہ زیان، اور بود کے عوض سود لکھا ہے،
دوسرا شعر دونون نسخون مین یون درج ہے،

رو بر سر لوح بین، کہ استاد قضا — اندر ازل آنچہ بودنی بود نوشت

قلمی شعر کا مطلب یہ ہے کہ روز ازل کے مدعا، مقصد یا بالفاظ دیگر، طے شدہ امر کے ساتھ خوشی
زندگی بسر کرو کیونکہ جو کچھ نیک و بد پیش آنے والا ہے، وہ قضا و قدر نے پہلے ہی لکھدیا ہے، انسان
کی فکر سے قضا نہین بدل سکتی، لہذا یہ مذہب اور الحاد وغیرہ کا جھگڑا بالکل بے کار ہے،

۶۴ من ہیچ ندانم، کہ مرا آنگہ سرشت — کرد اہل بہشت خوب یا دوزخ زشت
جامے و بتے و بربطے بر لب کشت — این ہر سہ مرا نقد ترا نسیہ بہشت

مطبوعہ نسخون مین آنگہ کی جگہ آنکہ بکاف تازی لکھا ہے، دوسرا مصرع دونون، الہ آبادی او
لاہوری نسخون مین اس طرح درج ہے، ؎

از اہل بہشت کرد یا دوزخ زشت،

آنگہ سے آنکہ بہتر ہے، لیکن دوسرا مصرع قلمی اچھا ہے، خوب و زشت مین صنعت تضاد ہے،
اس لئے دوزخ زشت کے مقابلہ مین بہشت خوب انسب ہے،

۶۵ خیام تنت بہ خیمہ می ماند راست — جان سلطان ست منزلش دار بقاست

فراشِ ازل زبہرِ دیگر منزل　　ویران کند این خیمہ چو سلطان برخاست

مطبوعہ نسخون مین ،،سلطان روح ست،، ہے، اور ازل کی جگہ اجل تحریر ہے، چوتھا مصرع اس طرح درج ہے، ؎

از پا فگند خیمہ کہ سلطان برخاست

۶۶　صحرا رخ خود بابر نوروز بہشت　　این دل کہ شکستہ گشت، کے گشت درست
پس سبز خطے و سبزہ زارے می بین　　اے سبز آنکہ سبزہ از خاک تو رُست

مطبوعہ نسخون مین "بابر" کی جگہ زابر ہے، دوسرا مصرع یہ ہے، ؎

دین دہر شکستہ دل بنو گشت درست،، دوسرا شعر الہ آبادی نسخہ مین اس طرح لکھا ہے،

با سبز خطے بسبزہ زارے می خور　　بر یاد کسے کہ سبزہ از خاکش رُست

لاہوری نسخہ مین چوتھا مصرع تو قلمی کے مطابق ہے، مگر تیسرے مین کچھ فرق ہے، اس مین ؎ "بین سبز خطے و سبزہ زارے دمی،، درج ہے،

۶۷　تا چند زنم بروے دریا ہا خشت　　نومیدیم چون بت پرستانِ کنشت،
امشب من و شیشہ و جھودانِ کنشت　　می خواہم و معشوقہ، چہ دوزخ چہ بہشت

الہ آبادی نسخہ مین یہ رباعی بہت مختلف ہے، صرف چوتھا مصرع متحد ہے، باقی تینون مصرعون مین زمین آسمان کا فرق ہے،

ہر چند کہ از گناہ بدبختم و زشت　　نومیدیم چو بت پرستان ز کنشت
اما سحرے کہ میرم از مخموری　　می خواہم و معشوق چہ دوزخ چہ بہشت

لاہوری نسخہ مین دوسرا اور چوتھا مصرع الہ آبادی نسخہ کے مطابق ہے، پہلا قلمی جیسا ہے اور تیسرا یون درج ہے، ؎　امشب من و میر جوانانِ کنشت،

بہرصورت الہ آبادی نسخہ تقریباً غلط اور لاہوری قدرے غیر صحیح ہے، قلمی نسخہ درست ہے،

۶۸　اے وائے دران دل کہ در و سوزے نیست　　سودا زدہ از مہر دل افروزے نیست
روزے کہ تو بے بادہ بسر خواہی برد　　ضائع تر از ان روز دگر روزے نیست

مطبوعہ نسخون مین ،،دران دل،، کے بجائے "بر آن دل" ہے "وائے بر" محاورہ ہے "وائے در" نہین بولتے، اس لئے قلمی نسخہ مین کاتب نے سہواً دران لکھدیا ہے، دوسرا مصرع لاہوری نسخہ مین قلمی کے مطابق ہے، صرف از نہین ہے، ،،سودا زدہ،، "مہر دل افروز" کی طرف مضاف ہے، الہ آبادی نسخہ مین ؎ "سودا زدہ مہر دل افروزے نیست،، درج ہے، چوتھے مصرع مین دونون مطبوعہ نسخون کے اندر دگر کی جگہ ترا ہے،

۶۹　در مجلسِ دہر سازِ ہستی پست ست　　نے چنگ و نہ نائے و نے دلم بر دست ست
رندان ہمہ ترکِ مے پرستی کردند　　جز محتسبِ شہر کہ دائم مست ست

مطبوعہ نسخون مین "سازِ ہستی" کے بجائے سازِ مستی اور بر دست کی جگہ "در دست" تحریر ہے، شارح الہ آبادی نے "سازِ مستی پست ست" کا ترجمہ کیا ہے "مستی کا سامان کم ہے"، ممکن ہے یہ مناسب ہو، لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کا ترجمہ یون کیا جائے کہ زندگانی کا ساز (باجہ) پست (بے نغمہ) ہے، اس لئے کہ جو کیف آوری کے اسباب ہین، چنگ، رباب، بانسری وغیرہ اور پھر سب سے بڑھکر دل، وہ میسر نہین، اور جب یہ اشیاء میسر نہین تو زندگی کا ساز نغمہ آفرین کس طرح ہو سکتا ہے،

۷۰　از مارسقے بہ سعی ساقی ماندہ ست　　در صحبتِ عمر بے وفائی ماندہ ست
از بادۂ دوش یک نمی بیش نماند　　وز عمر نہ دانم کہ چہ باقی ماندست

الہ آبادی نسخہ مین در کی جگہ از اور بے وفائی کی جگہ بیوفاتی ہے، تیسرے مصرع مین یک نے کے بجائے یک نمے لکھا ہے، لاہوری نسخہ اس کے مطابق ہے، صرف از صحبت کے عوض در صحبت ہے، چوتھے

مصرع مین دونون کے "از" "وز" کے بجائے از لکھا ہے،

قلمی رباعی مین قافیہ درست نہین غالباً کاتب کے سہو سے بیوفاتی کی جگہ بیوفائی درج ہوگیا، الفاظ اور ہمزہ تحریر مین اس قدر ہم شکل نظر آتے ہین، کہ انسان دھوکا کھا جاتا ہے، یہی غلط فہمی اس کا سبب ہوئی لیکن اس سے قطع نظر کرکے قلمی نسخہ مرجح ہے، "یک من" سے "یکسر خم" کہین بہتر ہے، خیام کی "خم نوشی" طبیعت کل کے لئے ایک سر کہان بچا رکھتی، وہ تو اس خیال کا حامی تھا، کہ جو کچھ ہے حال ہے، نہ معلوم کس وقت یہان سے کوچ کر جانا پڑے،

۱، تا بتوانی، غم جہان ہیچ مسنج ‏ ‏ ‏ بر دل منہ از اندہِ ناآمدہ رنج

خوش می خور و می بخش کزین دو ر سپنج ‏ ‏ ‏ باخود نبری گرچہ بسے داری گنج

مطبوعہ نسخون مین "از آمدہ و ز ناآمدہ رنج" ہے، غالباً کاتب نے غیر ممدود الف کے زبر اور نقطہ کو الف اور مد مین تبدیل کر دیا ہو، آمدہ سے "اندہ" بہتر ہے، اس لئے کہ رنج نام ہے اس شے کے نہ ملنے کا جس کا ملنا، انسان کی ضروریاتِ زندگی مین داخل ہو،

تیسرے مصرع مین مطبوعہ نسخون کے "اندر" "کزین دور سپنج" کے بجائے "درین دار سپنج" لکھا ہے، "درین" کزین اچھا ہے، لیکن دور دار کی تحریف معلوم ہوتی ہے، سرائے سپنج یا دار سپنج کہتے ہین، ممکن ہے دورِ سپنج بھی کہتے ہون، لیکن میری نظر سے نہین گذرا،

۲، چون می گذرد عمر چہ شیرین و چہ تلخ ‏ ‏ ‏ پیمانہ چو پر شود چہ بغداد و چہ بلخ،

میخور کہ بسے ماہ درین چرخ کہن ‏ ‏ ‏ از سلخ بغرہ آید از غرہ بسلخ،

تیسرا مصرع مطبوعہ نسخون مین اس طرح لکھا ہے، ؎

می نوش کہ بعد از من و تو ماہ بسے،

معنوی حیثیت سے دونون مصرع متوازن ہین لیکن قلمی مین روانی اور برجستگی زیادہ ہے،

تلخیص و تبصرہ

عورتون کا مرتبہ

اخبار ٹائمس کے ادبی ضمیمہ مین ایک مقالہ عورتون کی تدریجی ترقی کی تاریخ پر ہے جسمین مختصر طور پر طبقۂ نسوان کے مراحلِ ارتقا کا بیان ہے، سطورِ ذیل مین اس مضمون کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے،

جنگِ عظیم کے بعد جو زبردست انقلابات ہوئے، اُن مین سے ایک انقلاب وہ ہے، جو عورتون کے رتبہ مین واقع ہوا ہے، یہ انقلاب جو اسقدر تیزی کے ساتھ بلکہ یون کہنا چاہئے کہ یک بیک پیدا ہوگیا ہے، اس کی تکمیل کے لئے، دراصل بیسیون سال کی مدت درکار تھی، عورتون کی اس جدید حالت کا مسئلہ نہایت اہم ہے، اور ضرورت ہے کہ اسپر غور کیا جائے،

سرسری طور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتون کی آزادی مین ایک بہت لمبا قدم ہے، جس کی رسائی متعدد شعبون تک ہے، مثلاً سیاست، قانون، معاشیات، اور تمدن، اس تحریک نے طبقۂ نسوان کو ایک بلند تر مقام پر پہونچا دیا ہے، تاریخ مین ایسی غیر معمولی عورتین ملتی ہین، جو اپنے زمانہ کے مردون مین بھی ممتاز تھین، بہت سی عورتین تاج و تخت کی مالک بھی ہوئی ہین، اور ان مین سے بعض نہایت طاقتور اور مضبوط ارادہ کی تھین، ان کے علاوہ ایسی عورتین بھی اکثر پیدا ہوتی رہی ہین، جن کی عزت کسی غیر معمولی کمال کی وجہ سے کی جاتی تھی، لیکن مردان مخصوص عورتون کی جو توقیر کرتے تھے وہ اُس احترام سے بالکل علٰحدہ تھی، جو عام عورتون کے ساتھ برتا جاتا تھا، عیسائیت نے عورتون کا مرتبہ بہت کچھ بڑھا دیا، خصوصاً حضرت مریم کے باعث جنکی پرستش نے تمام طبقۂ نسوان کو لائقِ احترام بنا دیا لیکن

باوجود اس کے مساوات کا کوئی سوال نہ تھا، رومن چرچ نے کبھی کسی عورت کو پوپ یا کارڈنل یا کسی قصبہ کا پادری بھی بنانے کا خیال نہیں کیا، معزز عورتیں رہبانیہ ہوتی تھیں، اور اپنی برادری پر پورا قابو رکھتی تھیں لیکن ہمیشہ مردوں کے زیر ہدایت کام کرتی تھیں، مغربی عورتوں کی حالت مشرق کی عورتوں سے بہتر تھی تاہم کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ جانوروں کے مانند ہیں، اور ان میں کوئی روح نہیں ہے، اور اگرچہ یہ خیال عام طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا تھا پھر بھی اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں عورتوں کی کیا حیثیت سمجھی جاتی تھی، اُسوقت سے ایک زبردست تبدیلی واقع ہو گئی ہے، اور اسکا باعث وہ تاریخی واقعات ہیں جنھوں نے اکثر اور چیزوں میں تبدیلی پیدا کر دی ہے،

عورتوں کے مرتبہ میں جو انقلاب پیدا ہوا اسکا پہلا سبب نشاۃ ثانیہ تھا یعنی وہ دور جس میں علوم قدیمہ کا احیاء ہوا، اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل علم اشخاص کی عزت کیجانے لگی جس میں معزز خواتین بھی مردوں کی شریک تھیں، لیکن عام طبقۂ نسوان کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں ہوا، نشاۃ ثانیہ کے بعد ریفارمیشن (اصلاح مذہبی) کا دور آیا، یہ ایک مذہبی تحریک تھی اور عورتوں پر اس کا خاص اثر ہوا، طباعت کی ایجاد کے بعد علوم کی اشاعت میں تیزی کے ساتھ ترقی ہوئی، اور فاضل عورتوں کی تعداد بڑھتی گئی، اٹھارہویں صدی میں عورتوں کے قائم کردہ مذہبی فرقوں کو بہت ترقی ہوئی اور متعدد ممالک میں ان کا اثر بڑھتا رہا، سیاسی حقوق کے لئے امریکہ میں سترہویں صدی میں عورتوں نے شورش شروع کر دی تھی، وہاں ۱۶۴۷ء میں مارگرٹ برنٹ (Margaret Brent) نے میری لینڈ (Maryland) کی اسمبلی میں بحیثیت ایک ممبر کے بیٹھنے کا حق ظاہر کیا تھا، اٹھارہویں صدی میں کئی ایک ٹیکس ادا کرنیوالی عورتوں نے اپنی نمایندگی کا مطالبہ کیا،

ان مثالوں سے عورتوں کی ترقی کی رفتار کا اندازہ ہوتا ہے آبادی کی ترقی کے ساتھ قابل عورتوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی، انیسویں صدی میں عورتوں کی ترقی کی عام تحریک پیدا ہو گئی، لوئسی اٹو (Louise Otto)

نے ۱۸۴۸ء میں مسئلۂ نسوان کا ایک مفصل پروگرام مرتب کیا، اور یہ دکھایا کہ حکومت کے معاملات میں حصہ لینا عورتوں کا حق ہی نہیں بلکہ اُن کا فرض بھی ہے، اور اس فرض کی انجام دہی کے لئے حکومت کو چاہئے کہ تمام عورتوں کو تعلیم دے، اور سیاسی حقوق کے ساتھ عورتوں کو معاشیاتی آزادی بھی حاصل ہونی چاہئے۔ سیاسی تعلیمی اور معاشیاتی معاملات میں عورتوں کے مطالبات بڑھتے گئے، چند سالوں میں عورتوں کے مطالبات کو بڑھانے کی غرض سے بہت سی انجمنیں اور مدرسے قائم ہو گئے، اور اس تحریک میں عیسائی اشتراکیوں نے خاص حصہ لیا، ۱۸۶۵ء میں جان سٹوارٹ مل (John Stuart Mill) عورتوں کے ووٹ کی مدد سے پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا، اس کے انتخاب کا عوام پر نمایاں اثر ہوا، ۱۸۶۹ء میں مل نے اپنی کتاب "عورتوں کی محکومیت" شائع کی، اس کے بعد متعدد ممالک میں عورتوں کے مرتبہ میں ایک عام ترقی نمودار ہونے لگی، ۱۸۶۵ء میں جرمنی میں دو اہم انجمنیں قائم کی گئیں، یہ انجمنیں National Association of German women اور Dr. Lette's Society for Promoting The Employment of Women تھیں، ان دونوں انجمنوں پر انگلستان کی تحریک کا بہت کچھ اثر تھا، انگلستان میں یہ تحریک تیزی سے ترقی کرتی گئی،

۱۸۴۴ء میں پارلیمنٹ نے ایک فیکٹری ایکٹ (Factory Act) نافذ کیا، جس کی رو سے کام کرنے والی عورتوں کو حفاظت کیلئے وہی حقوق دئے گئے جو اٹھارہ سال سے کم کے مردوں کو حاصل تھے، ۱۸۴۷ء میں ایک قانون نافذ کیا گیا، جس سے کارخانوں میں عورتوں کے کام کرنے کی مدت دس گھنٹے معتین کیگئی، شادی شدہ عورتوں کی جائداد اور ان کی ملکیت کے متعلق ایک عام شورش پیدا ہوئی، ۱۸۷۹ء میں ببل (Bebel) کی کتاب "عورت اور اشتراکیت" (woman and Socialism) شایع ہوئی، اسکا مقصد مردوں اور عورتوں کی مساوات کو پیش کرنا تھا، مصنف نے ہر بات میں دونوں کو ایک ہی سطح پر کھڑا کرنے کی کوشش کی، اس کتاب کا اثر بہت گہرا پڑا، اور اس کے خیالات عام طور پر

تسلیم کئے گئے، غرض یہ تحریک ترقی کرتی گئی، یہان تک کہ جنگ عظیم کے بعد وہ مقصد حاصل ہوگیا جس کے لئے اسّی نوّے سال سے برابر کوشش جاری تھی، اس عرصہ مین عورتین مردون کی مدد سے زندگی کے سیاسی، معاشیاتی، اور تعلیمی شعبون مین مساوی حقوق کے لئے جد وجہد کر رہی تھین، جنگ سے قبل کہین کہین اس قسم کے کچھ حقوق حاصل ہوگئے تھے، لیکن ان مطالبات کی تکمیل جنگ کے بعد ہی ہوئی، اب بہت کم ایسے شعبے ہین جنمین عورتین مردون کے دوش بدوش نہ ہون، وہ پارلیمنٹ کی ممبر ہین، سرکاری دفترون مین کام کرتی ہین، جیوری کی رکن ہوتی ہین اور میر بلدیہ (Mayor) ہوجاتی ہین،

تہذیبِ اسلامی کی تاریخ

مسٹر زویمر (Mr. Zwemer) یعنی وہ مشہور عیسائی ہستی جس نے دنیائے اسلام کو عموماً اور مسلمان عربون کو خصوصاً عیسائی بنانے کا بیڑہ اٹھایا ہے، انھون نے اپنے رسالہ مسلم ورلڈ مین مسٹر خدابخش کی کتاب "تاریخ تہذیب اسلامی" پر ایک تبصرہ لکھا ہے، مسٹر زویمر کو اسلام سے جس قسم کا شغف ہے، اس کی تفصیل کی ضرورت نہین، باایں ہمہ تبصرہ مین انھون نے اعتدال کو پیشِ نظر رکھنے کی کوشش کی ہے،

کتاب کے چار ابواب جو اسلامی تہذیب اور اس کی اصل، اسلام بحیثیت ایک مسئلہ کے، عرب دار العلوم اور وہان کے اساتذہ، اور خوارج سے متعلق ہین، یورپین مولفین کی کتابون کے ترجمے ہین، بقیہ آٹھ مختلف وسعت و حیثیت کے ہین، ہارون رشید اور ابن خلدون کے حالات نہایت خوبی اور صحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہین، اور "قرون وسطیٰ مین مسلمانون کا نظام تعلیم" اور "تعلیم اور اس کے مقاصد" کے ابواب بھی قابلِ مطالعہ ہین، تین ابواب مین موجودہ صورتِ حال سے بحث کی گئی ہے، مولف کو یقین ہے کہ اسلامی تہذیب محض دورِ گذشتہ کی یادگار نہین ہے بلکہ ایک روشن مستقبل بھی اس کے سامنے ہے، اسلام اپنے مقصد سے

دور نہین ہو رہا ہے، مسٹر خدابخش کا خیال ہے کہ تحریک اس سے بالکل مخالف ہے[1]، یہ تحریک اُس اسلام کی طرف لیجا رہی ہے جو رسمی اعتقادات کی پابندیون سے آزاد ہے، اُس اسلام کی طرف جو ترمیم پذیر ہے، اور تہذیب کی ترقی کے ساتھ چل سکتا ہے، اُس اسلام کی طرف جو محبت اور روشنی کی طرف ہمین لیجاتا ہے، اور اُس اسلام کی طرف جو دائمی حقائق کی تبلیغ اور غیر محدود ترقی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، غرض یہ تحریک اُس اسلام کی طرف لیجا رہی ہے جو نبی مرسل صلعم کا اسلام ہے" مولف کے نزدیک یہ ممکن اور پسندیدہ ہے کیونکہ "اسلام مین انسان کی ترقی کے لئے کوئی مانع نہین ہے، قران مین تمام تر منتہائے کمال کی ہدایتین ہین، اور قران ہی ہمارا نور اور ہادی ہے، یہ تو طریقِ نماز کے متعلق بھی کوئی حکم نہین صادر کرتا، پھر ایسے قوانین کے نافذ کرنے کا کیا ذکر ہے جو ترقی کے سدِّ راہ اور روشن خیالی کے مخالف ہون، کوئی آیت بھی تہذیب و تمدن کی مخالفت مین نہین ہے، کیا ایسی بنیاد کسی تہذیب کی تعمیر کے لئے بھی ناکافی ہو سکتی ہے؟" اتحادِ اسلامی کے فنا ہونے کے بعد قومیت کا ظہور ہوا ہے، لیکن "آج کی وطنیت نیست و نابود کرنا کیا معنی اسلام کی اس روحانی برادری پر فوقیت بھی نہین لیجاتی، جو تمام مسلمانون کو اپنے وسیع آغوش مین لئے ہوئے ہے، یہ اسلام کو کمزور نہین کرتی، یہ اُسے تقویت دیتی ہے، ہر قوم اپنے جغرافی حدود کے اندر اپنے افعال کی مختار ہے لیکن وہ ہرگز فراموش نہین کر سکتی کہ قومی حدود کے ماورا اسلام کی برادری ہے، جو قومی رکاوٹون کو دور کرکے اسلامی یگانگت کو قائم کرتی ہے، ترک، مصری، عرب، ایرانی، ہندوستانی اور افغانی، یہ سب باوجود نسلی اختلافات کے مذہبی اتحاد کی قوت محسوس کرتے ہین، مسجدین، حج کے موقعہ پر ممالک غیر مین، غرضکہ ہر جگہ جہان وہ ایک دوسرے سے ملتے ہین، ان مختلف قومون کے درمیان کوئی مخاصمانہ اغراض نہین، کوئی اجنبیت نہین، کوئی ایسی خلیج نہین، جو پر نہ کیجا سکے، ایسی خلیج جو انگریزون کو فرانسیسیون سے یا جرمنون کو ان دونون سے جدا کرتی ہے" اس دعوی مین ایک سچائی ہے، جس پر مصنفین

[1] معارف بالکل عجیب،

مغربیت نے پردہ ڈال رکھا ہے، مغربی تہذیب نے مسلمانون کو بیدار کردیا ہے، ہر جگہ ہندوستان مین، مصر مین، فارس مین، ترکی مین، جدھر دیکھیے مسلمانون مین نئی زندگی پیدا ہو رہی ہے، وہ مسائل کو زمانۂ حال کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہین، مذہبی قوانین کی تشریح کے لیے نئے قواعد بناتے جاتے ہین، حال کو ماضی سے مطابقت دے رہے ہین، موجودہ ادارون کا جواز قرآن اور حدیث سے ثابت کر رہے ہین، اور اُس خلیج کو پُر کر رہے ہین کو شان ہین، جو دنیاے اسلام کے دو بڑے فرقون کے درمیان حائل ہے" لیکن اُس اسلامی تہذیب مین جس کی تبلیغ مسٹر خدا بخش کر رہے ہین، بہت کچھ عیسائیت کا عنصر رہے گا، زمانۂ ماضی مین جیسا کہ ہم دکھا چکے ہین، عیسائی اور اسلامی تمدن کے ضروری اجزا ایک ہی تھے، کیا اب بھی وہ اُسی مقصد کیطرف نہین جا رہے ہین؟" حقیقی اسلام حقیقی عیسائیت ہے، مقصد دونون کا ایک ہی ہے" خاتمہ پر مسٹر خدا بخش لکھتے ہین کہ "مغربیت کی جو ہوا اپنی پوری طاقت سے آج مشرق مین چل رہی ہے اُس سے اسلام مین نہ تو کوئی کمزوری یا نقص پیدا ہوا ہے، اور نہ وہ برباد ہو گیا ہے، اسلام نہایت مضبوطی کے ساتھ ان ہواؤن کے مقابلہ مین قائم ہے" کیا مولف کا یہ خیال اس وجہ سے ہے کہ اُن کی خواہش ہے کہ ایسا ہی ہوتا! اور کیا ہندوستان ترکی اور ایران کے حالات سے بیخبر ہے؟

معارف:- ہم کو مسٹر صلاح الدین خدا بخش خان کے تراجم سے جو وہ اکثر جرمنی کتابونکو بے انتہا عقیدت کے ساتھ انگریزی مین منتقل کرکے اپنے نام سے شایع کرتے رہتے ہین، کبھی کوئی عقیدت نہین رہی ہے، وہ لوگ جو اپنے گھر کا حال بھی دوسرے لوگون کی زبانی سنکر دوسرون کو سناتے اور خوش ہوتے ہین کہ ہم بھی اپنے گھر کے حال سے واقف ہین رحم کے قابل ہین، تاہم مسٹر موصوف کی دلچسپ انشا پردازی سے اسلام کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے، کہ انگریزی دنیا اسلام سے کسی نہ کسی طرح آشنا ہوتی ہے، مگر اُن سے زبردست نقصان اُن انگریزی خوان مسلمانون کو پہنچ رہا ہے جو ہر دن

حروف مین چھپی ہوئی کتاب کو مقدس کتاب کا درجہ دیکر اوس کے ہر رطب و یابس کو قبول کر لیتے ہین اور ان کو تحقیق کی انتہا سمجھتے ہین،

اکثر عیسائی "روشن خیال اسلام" کو اصلی اسلام کہنے سے گریز کرتے ہین، کہ یہ اسلام قدیم ملایانہ اسلام کے خلاف ہے کیا زویمر جیسے پروٹسٹنٹ عیسائی سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ "کیا رومن کیتھولک یہ کہنے مین حق بجانب ہین، کہ پروٹسٹنٹ یعنی "روشن خیال عیسائی" اصلی عیسائی نہین ہین؟"

صنعاء دار السلطنت یمن

برلن کی انجمن جغرافیہ کے رسالہ مین راتجنس (C. Rathjens) اور فان وسمین (Von Wissmann) نے ذاتی معلومات کی بنا پر صنعاء کا ایک مفصل بیان دیا ہے، جسمین خصوصیت کے ساتھ اس کی طبعی حالت اور وہان کے باشندون پر اس حالت کے اثر کو دکھایا ہے، اس مقالہ مین صنعاء کی مختصر تاریخ، اُس خطہ اور شہر کا نقشہ اور متعدد تصویرین ہین، یمن وسطی کی طبعی تقسیم پر خاص زور دیا گیا ہے، جو باعتبار آب و ہوا متوازی خطون مین کی گئی ہے، ایسے چھ خطے علحدہ علحدہ دکھائے گئے ہین:- (۱) تہامہ کا ساحلی حصہ (۲) کنارہ کا بلند حصہ (۳) خارجی پست منطقہ، (۴) اندرونی بلند حصہ (۵) اندرونی پست منطقہ (۶) مشرقی پہاڑیان، ان مین سے ہر حصہ کی آب و ہوا جداگانہ ہے،

تہامہ کے گرم اور خشک خطہ کے بعد وہ حصہ پڑتا ہے، جو یمن کا بہترین حصہ ہے، یعنی کنارہ کا بلند خطہ، یہان بارش اور پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے، اور آبادی بھی سب سے زیادہ ہے، قہوہ کے درخت یہان نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین، تیسرے حصہ مین بارش نسبۃً کم ہوتی ہے، اور کاشت

بھی صرف وادیون کے بلند حصون مین کیجاتی ہے جو تھے حصہ مین بھی بارش کم ہوتی ہے، اور زراعت صرف مغربی بلند حصون مین کی جاتی ہے، اندرونی پست منطقہ مین موسم بہار مین کم اور موسم گرما مین زیادہ بارش ہوتی ہے، یہان کی آب و ہوا عمدہ اور صحت کے لئے مفید ہے، اور اس منطقہ مین کہین کہین خط نمبر ۲ سے بھی زیادہ آبادی ہے، مشرقی پہاڑیون مین جن کی بلندی ۳۰۰۰ میٹر ہے مشرق جانب متعدد وادیان ہین، قدیم زمانہ مین جب ایک اہم تجارتی راستہ اس حصہ سے ہوکر شمال کی جانب جاتا تھا، تو یہ خطہ قدیم ترین تہذیب کا مرکز تھا، لیکن بعد مین یہ مرکزیت مغرب کی جانب منتقل ہوگئی، اور صنعا نے اندرونی پست منطقہ مین اہمیت حاصل کرلی، اس مقالہ مین صنعا کی کثرت کاشت کا بہت واضح بیان ہے، کنوون سے آبپاشی کرکے سال مین تین فصلین پیدا کی جاتی ہین، شہر کا نقشہ انگریزی ہندسہ ۸ کی شکل کا ہے، اور دراصل بجائے ایک کے دو شہر ہین، وہ مشرق اور مغرب کی طرف آباد ہین اور قدیم شہر جو مشرق کی جانب ہے اصل مین اُسی کا نام صنعا ہے، مقالہ مین شہر کا تفصیلی نقشہ اور عمارتون کی تصویرین بھی شامل ہین، اور وہان کے باشندون کی زندگی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے،

"ع ز"

دار المصنفین کی نئی کتاب
سیر الصحابہ کے حصہ مہاجرین کی تیسری جلد

از شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

جس مین حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت ابو ہریرہ دوسی حضرت سلمان فارسی حضرت ابو ذر غفاری حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین، اور دیگر ۸۱ مہاجر صحابہ کے حالات و سوانح، اخلاق و فضائل، اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی، مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے ضخامت ۳۶۲ صفحات

قیمت :- ستے

"منیجر"

اخبار علمیہ

اتحاد مذاہب

امریکہ مین مصلحین کا ایک گروہ مختلف مذاہب مین رواداری پیدا کرنے مین مشغول ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین یہودیون کی تقریب نوروز کے موقعہ پر نیو یارک مین ایک ہزار مختلف اہل مذاہب کا ایک اجتماع ہوا، اور رسل کلنشی، راسر لنڈ، سید حسین، کدار ناتھ داس گپتا، اور ڈاکٹر بھگت سنگھ نے اس موضوع پر مختلف تقریرین کین، مسٹر کلنشی نے فرمایا "آج دنیا کی مذہبی زندگی مین کوئی سوال اس سوال سے زیادہ اہم نہین ہے کہ مختلف مذاہب کا ایک دوسرے کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہئے، اور کیونکر وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہین، یہ سوال عیسائیت اور یہودیت کے متعلق خاص طور پر صحیح ہے، مسٹر داس گپتا نے بیان کیا کہ ہندؤن کو اپنے یہودی ہمسایون کے ساتھ کیون محبت ہوتی ہے، "ہنود کو یہودی کے ساتھ اس لئے محبت ہے کہ وہ بھی ہندؤن کی طرح ایسے خدا کی پرستش کرتا ہے جو تھا جو ہے اور جو رہیگا، اسلئے کہ یہودیون مین عیسی ابن آدم پیدا ہوئے، یہودیون ہی مین دنیا کے بڑے بڑے پیغمبر نمودار ہوئے، اور اس لئے کہ یہودیون اور ہندؤن کے طریق عبادت مین ایک حد تک مشابہت بھی ہے خصوصاً عبرانی اور سنسکرت مذہبی ترانون مین"، ان کے علاوہ اور بھی تقریرین ہوئین، اور مختلف ادارون نے مبارکباد کے پیغامات بھیجے، ان مین سے ہر ایک سے اُس بیچینی کا اظہار ہوتا ہے، ایک نامہ نگار کا خیال ہے کہ "یہ تحریک تاریخ مذہب مین ایک جدید تحریک ہے، اور رفتہ رفتہ وہ دیوارین گر رہی ہین جو یہودی اور عیسائی مذہب کے متبعین کو جدا کئے ہوئے تھین"

ٹالسٹائے کی زندگی

حال مین مسٹر نزیرات نے ٹالسٹائے کی ایک سوانح عمری شایع کی ہے، جس سے ٹالسٹائی کے سوانح حیات کے مختلف ابواب پر نئی روشنی پڑتی ہے، سوانح نگار کے پیش نظر جو چیز خصوصیت کے ساتھ تھی وہ ٹالسٹائی کے ذاتی اخلاق و عادات تھے، اس کتاب کے مطالعہ سے ٹالسٹائی کی غیر معمولی دماغی اور جسمانی قوت کا حال معلوم ہوتا ہے، بہت کم چیزین اسکے مشاہدہ مین ایسی آئیں جس کی تحقیق اُسنے عملی تجربہ سے نکی ہو، کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینا اسکی زبردست طبیعت کے بالکل منافی تھا، لڑکپن کے زمانہ مین یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ پرواز کرسکتا ہے یا نہیں، وہ کھڑکی کے باہر کود پڑا، نوجوانی کی حالت مین ایک روز اپنی قوت ارادی کی آزمایش کی غرض سے وہ کئی منٹ تک اپنی انگلی کو جلتی ہوئی شمع مین رکھے رہا، یونانی زبان سے ناکمل واقفیت کے باوجود دس بارہ مستند کتابون کی مدد سے توراۃ و انجیل کا ترجمہ کرنے کیلئے طیار ہوگیا ضعیف العمری مین ڈچ زبان سیکھنے کا فیصلہ کرلیا، ساٹھ سال کی عمر مین ادبی مشاغل سے فرصت کے اوقات مین پورے پورے دن لکڑی کاٹتے، پانی چلانے اور کھیتون مین کام کرنے مین مشغول رہتا، وہ بیک وقت زمیندار، کاشتکار، کھیل اور شکار کا شایق، معلم و ماہر تعلیم، ایک بڑے خاندان کا سردار، ایک فرقہ کا بانی، اور روس کے تمام ہمعصر مصنفین مین سب سے بڑا مصنف تھا اسے عظمت و شان کی خواہش نتھی بلکہ وہ اس سے زیادہ مشکل اور مستقل چیز کا خواہان تھا، ۲۳ سال کی عمر مین وہ اپنی ڈائری مین لکھتا ہے "مجھ مین کوئی بات ہے جس سے مجھے یقین ہے کہ مین اور لوگون کی طرح زندگی بسر کرنے کیلئے نہین پیدا ہوا ہون، بلکہ لوگون کی زندگی اور انکی مسرتون پر ایک زبردست اثر ڈالنا چاہتا ہون"۔ اس مین شبہ نہین کہ اسکی زندگی دوسرونکی زندگی سے مختلف تھی، اس کے سوانح حیات کا ہر صفحہ اس کی غیر معمولی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے،

اکبر کی مصور اشرفی

حال مین برٹش میوزیم نے اکبر کی ایک مصور اشرفی حاصل کی ہے، یہ مشہور اشرفی شہنشاہ جہانگیر کی تخت نشینی کے پہلے سال یعنی ۱۶۰۵ء مین ڈھالی گئی تھی اسپر ایک طرف اکبر کی تصویر ہے، جیسے وہ روز دربار عام کے وقت جھروکہ مین بیٹھا کرتا تھا، اور دوسری طرف آفتاب درخشان کا مرقع ہے، اس سکہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اسپر اکبر کی تصویر ہے، اسلئے کہ باوجود اس کے کہ آخر عمر مین اکبر کی مذہبی پابندی بہت کچھ کم ہوگئی تھی، تاہم اُس کے سکے عام مسلمان بادشاہون کے سکون کی طرح بلا تصویر کے ہوتے تھے، علاوہ برین اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسپر اکبر کی مستند تصویر ہے، سب سے بڑی خصوصیت اس کی یہ ہے کہ یہ اکبر کے دین الٰہی کی یادگار ہے، جہانگیر کا ارادہ تھا کہ اکبر کے طریق پر ایک جدید مذہب قائم کرے اور اس مذہب کے متبعین کو بطور رکنیت کی علامت کے ایک باتصویر تمغہ دے، اس سلسلہ مین وہ تزک جہانگیری مین اسی سکہ کا ذکر کرتا ہے لیکن مذہبی تجربہ کا یہ خیال اس کے دل سے جلد جاتا رہا، اور صرف یہ سکہ ہی اُس مذہب کی یادگار رہ گیا،

تہذیب کی ترقی

پروفیسر ہالڈین نے ہارپرس میگزین کے ایک مقالہ مین دکھایا ہے کہ آج سے ایک صدی قبل انگلستان کا طرز معاشرت قدیم بابل کے طرز معاشرت سے بہتر نہ تھا، جہان تک قانون کا تعلق ہے، ڈنجی بادشاہ اُر کے قوانین جو ۲۲۴۲ قبل مسیح مین بابل مین حکومت کرتا تھا، جارج چہارم شاہ انگلستان (۱۸۲۰ء تا ۱۸۳۰ء) کے قوانین سے بہتر تھے شاہ ڈنجی کی رعایا غلام رکھتی تھی لیکن ان غلامون کو ذاتی جائداد رکھنے کی اجازت تھی، وہ لوگ بچون کو چوری کی سزا مین پھانسی نہین دیتے تھے، ان کی بیویون کے پاس انگلستان کے قانون کے برخلاف ذاتی جائداد ہوتی تھین، اگر کوئی شوہر داشتہ عورت رکھ لیتا تو بیوی کو اس بات کا حق تھا، کہ اس عورت سے اپنے پیر دھلوائے اور اپنی کرسی گرجا مین لوا جائے برخلاف اس کے ۱۸۹۲ء تک

انگلستان کی عورتون کو اس معاملہ مین کوئی قانونی چارہ جوئی حاصل نہ تھی، چونکہ ان قوانین سے قانون سازون کے معیارِ اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ اخلاقیات نے زیادہ ترقی نہین کی ہے،

بین الاقوامی ایرانی علمی نمایش

آئندہ جنوری مین لندن مین ایران کی ایک علمی وفنی نمایش ہونے والی ہے، جس مین ایرانی مصنوعات کے تمام قدیم وجدید سامان فراہم کئے جا رہے ہین، اس نمایش کے انعقاد کے اخراجات کا تخمینہ دس ہزار پونڈ کیا جاتا ہے، تقریباً بیس ممالک نے دو ہزار نمایش کی چیزین بھیجی ہین، ایران کے علاوہ جہان سے رضا شاہ نے اپنے ذاتی اہتمام مین یہ نوادر روانہ کئے ہین، ترکی، مصر، ہندوستان، روس، پولینڈ، ڈنمارک، اسپین، اور اٹلی نے بھی دیگر ممالک کے ساتھ اپنے ہان کی قیمتی اشیاء اس نمایش مین بھیجی ہین، مسٹر کیلنگ ناظمِ نمایش کا خیال ہے کہ اگر برلنگٹن ہاؤس (جہان یہ نمایش منعقد ہونے والی ہے) مین کوئی زلزلہ آیا تو بیمہ کی کمپنیان دیوالیہ ہوجائین گی، کیونکہ ان نوادر کا یہ مجموعہ بیحد قیمتی ہے،

ستارون کی ساخت

آکسفورڈ کے پروفیسر ملنے نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ستارے کی ساخت انڈے کی ساخت سے ملتی جلتی ہے، مرکزی حصہ مین انڈے کی زردی کی طرح ایک قسم کی سخت چیز ہوتی ہے، اور اس کے ہر چہار طرف نسبۃً ہلکا مادہ ہوتا ہے، زردی مین ہیئت دانون کے حساب سے کہین زیادہ تپش ہوتی ہے، اب تک ...... اڈگری پر عام طور سے اتفاق تھا لیکن پروفیسر موصوف کا اندازہ یہ ہے کہ تپش .... اڈگری کی ہوتی ہے،

ایک ہندوستانی فاضل کو نوبل پرائز

یہ خبر معارف کے حلقہ مین بھی مسرت سے سنی جائیگی کہ یورپ کا مشہور نوبل پرائز اس سال ایک ہندوستانی فاضل پروفیسر رامن کلکتہ یونیورسٹی کو علم طبیعیات مین ایک اہم انکشاف کے اعتراف مین عطا کیا گیا ہے، "ع ز"

ادبیات

کچھ نہ تھا

از

جناب شاہ ابوالشرف صاحب مجددی دہلوی،

رات بھر ہر بزم مین کیا کچھ نہ تھا / صبح ہوتے ہی جو دیکھا کچھ نہ تھا

دیکھ لی یوسف کی بھی ہم نے شبیہ / رنگ تیرا اس مین کچھ تھا کچھ نہ تھا

تھی تمنا مین ہوا خواہی تری / مین ہوا خواہ تمنا کچھ نہ تھا

تم نے اگر جان دل مین ڈالدی / اس مین تو میرے مسیحا کچھ نہ تھا

کھل گیا رازِ نمود ہست و نیست / تو ہی تھا اے عالم آرا کچھ نہ تھا

تھی نویدِ مرگ امید افزای عیش / زندگی بھر کا تماشا کچھ نہ تھا

اللہ اللہ شانِ استغنائے حسن / اے نصیبِ عشق تیرا کچھ نہ تھا

اسقدر ناز اپنے جلوہ پر تمھین / میرا دل میرا کلیجا کچھ نہ تھا

کب ہوا مین ہمکنارِ یاس، آہ / مجھ مین باقی جز تمنا کچھ نہ تھا

جانے والے لامکان سے بڑھ گئے / پوچھئے پھر بھی کہ کیا تھا کچھ نہ تھا

جب نظر جاتی ہے اپنی اصل پر / سوچتا ہون مین بھی تھا یا کچھ نہ تھا

مین نے اپنی جان تک کردی فدا / آپ کے نزدیک گویا کچھ نہ تھا

پیشکش محشر مین ہین دستِ تہی / میرے پاس اے میرے مولا کچھ نہ تھا

انتہاے معرفت ہے اے شرف

ہم نے جو دیکھا جو سمجھا کچھ نہ تھا

"تم کِس سے مخاطب ہو؟"

از

جناب سید مقبول حسین صاحب احمد پوری

ہین کونسی امیدین، وہ کونسی حسرت ہے ؟

یہ کس کی محبت ہے کیسی یہ مسرت ہے ؟

کیا خود سے مخاطب ہو؟

کیا کوئی دھڑکتا دل دمساز ہوا تم سے ؟

کیا جوشش بہاران خود ہمساز ہوا تم سے ؟

تم کس سے مخاطب ہو؟

غربت مین ہو شاید تم، کیا یادِ وطن آئی ؟

بلبل کی سی حالت کیون، کیا یادِ چمن آئی ؟

تم کس سے مخاطب ہو؟

اس شام غریبی مین کیون صبح وطن ظاہر؟

احباب مین یاد آتے ہیں کہتے نہین کیون آخر۔

تم اُن سے مخاطب ہو؟

خاموش ہنسی کیسی، غمگین یہ ترنم کیون ؟

خلوت سے ہی کیون رغبت، مجبور تبسم کیون ؟

کیا دل سے مخاطب ہو؟

شاہد ہے، متانت سے جذبہ کا چھپا لینا۔

اور گہرے تنفس سے یہ سر کا جھکا لینا۔

تم دل سے مخاطب ہو؟

دل محفل عشرت ہے، دل منزل راحت ہے،

ہر بات ہے اس دل کی دل ہے تو محبت ہے،

سب دل کی بدولت ہے!

"قوتِ بازو"

ازجناب سید محمد ابراہیم صاحب نجم ندوی،

انگریزی شاعر "کوپر" کی نظم "MY GOOD RIGHT HAND" "میرا دست راست" کا ترجمہ

شومئی تقدیر سے مین چاہِ غم مین گر پڑا
اور محوِ شکوہ سنجی وحشتِ دل سے ہوا

بیکسی سے تنگ آکر مائل یاران ہوا
لیکن اُن کی جستجو مین مفت سرگردان ہوا

شرمسار احباب تھے اور آشنا سب تھے اُداس
دیر تک رہے تھے شور لیکن یہ دل مین تھا ہراس

ناگہان ان سے نہ ہون مین سیم و زر کا خواستگار
یہ تخیل اُن کے دل مین آرہا تھا بار بار

مین نے تب سوچا کہ اُن کی ہے مجھے پرواہی کیا
خود مری پہلو مین ہے اک مونس درد آشنا

جو مرا غمخوار ہے اور جو مرا تیمار دار
چارہ گر ہے جو مرا اور جو رفیق جان نثار

اعتماد ابنائے عالم پر نہ کرنا چاہئے — ریگ پر تعمیر ہرگز گھر نہ کرنا چاہئے
اعتماد اب دل سے رکھونگا تو لاکھوں ہین — اعتماد اب کرون گا قوتِ بازو پر مین

اس ارادے مین بنایا اپنے کو جب اُستوار — تب ہوا مجھ پر نزول رحمت پروردگار
از سرِ نو ہمتِ مرحوم زندہ ہو گئی — بن گئی تدبیر کی تقدیر روٹھی ہی رہی
پھر مری روٹھی ہوئی تقدیر مجھ سے منگئی — اور مری ناگفتہ بہ حالت بھی بہتر بنگئی
خود غرض احباب کی محفل مین آمد ہو گئی — دوست کچھ ایسے بھی آئے جو نہ آتے تھے کبھی
جی مین آتا ہے کہ جا کر اُن سے کہدُون آج مین — آپ جیسے دوستون کا کچھ نہین محتاج مین
نجم کافی ہے مدد کو "قوتِ بازو" مجھے — یہ سلامت ہے تو دنیا مین مجھے کیا چاہئے

دوست وہ ہے جسکو ہر دم دوستی کا پاس ہو — شادمان ہو دوست اسکا یا اسیرِ یاس ہو
قوتِ بازو سے بڑھکر کوئی نعمت ہی نہین — یہ ہے وہ گوہر کہ جسکی کوئی قیمت ہی نہین

الجہاد فی الاسلام

از مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی، رفیق اعزازی دار المصنفین

جس مین اسلامی جہاد کی حقیقت اور اسلام کے قوانین جنگ و صلح، معترضین کے جوابات اور شکوک و شبہات کا ازالہ، اسلامی قانون کا دوسرے مذاہب اور دوسری قوموں کے قوانین جنگ سے مقابلہ و موازنہ اور موجودہ یورپین قوانین جنگ پر مفصل تبصرہ اور ان پر اسلامی قانون کی برتری، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۶۹۲ صفحے قیمت للعہ

"منیجر"

بابُ التقریظ والانتقاد

"عرب و ہند"

از

مولوی محمد اعجاز حسن خانصاحب رئیس مظفر پور[1]

جناب مولانا الحاج السید سلیمان صاحب ندوی جو علامہ شبلی نعمانی کے جانشین بالاستحقاق اور دار المصنفین کے روح رواں ہین، انھون نے عرب وہند کے تعلقات پر چند خطبے دئے، الہ آباد کی ہندوستانی اکیڈمی نے ان سب خطبون کو ایک کتاب کی صورت مین شائع کیا ہے، جناب مصنف نے ایک نسخہ اس کتاب کا مجکو عنایت کیا جسکا شکر ادا کرتا ہون، (محمد اعجاز حسن)

عام خیال لوگون کا یہ ہے کہ عربون سے ہندوستان کے تعلقات اسلام کے بعد شروع ہوئے، وہ بھی شمالی ہند کی قومین فاتحانہ حیثیت سے جب یہان آئین، گویا جنگ و جدل کے ذریعہ تعلقات قائم ہوئے کچھ عرب دریا کے رستہ سے ملیبار کے طرف آئے تھے مگر اسکو اہمیت نہین دیجاتی، علامہ شبلی نے ایک بار لکھا تھا کہ "ہندو کبھی ایران اور عرب مین چڑھکر نہین گئے، اس کے بجائے ان کے ملک پر ہم نے حملہ کیا" اس مین شک نہین کہ ہم نے (یعنی مسلمان نے) حملہ کیا تھا مگر مسلمانون نے مسلمان ہونے کی حیثیت سے حملہ نہین کیا، ہندوستان ہمیشہ فاتحین ساکن شمالی ہند کا لگدکوب رہتا آیا، ضحاک تازی جو بہت قدیم بادشاہ ایران کا اور نہایت ظالم مشہور ہے اُس نے ہندوستان کو فوج روانہ کرتے وقت جو الفاظ کہے اُن کو اُستاد

[1] اس مضمون کی چند سطرین اخبار عام لاہور ماہ اکتوبر ۱۹۲۸ء مین چھپی تھین، مین نے اسی سے لکھ کر رکھ لیا تھا۔

اسدی طوسی نے یون نظم کیا ہے،

وصیت چنین کرد گرشاسب را   کہ در ہند بر دو دکن خسپ را،

نداری زخون سپاہان دریغ   ہمی کار فرما درخشندہ تیغ

بجستی دہ انجام کار سترگ   برایشان چنان زن کہ بر گلہ گرگ

نمانی دران بوم سالے تمام   کہ لشکر گران گیرد از ننگ و نام

گرت بگزرد چار موسم دران   ز فرہنگ و مردی نیابی نشان

اصل حال یہ ہے کہ ایران مین جو بادشاہ صاحب داعیہ ہوئے وہ ہندوستان پر چڑھائی کرتے رہے، سکندر رومی جس کا نام ہندوستان کے بچہ بچہ کے زبان پر ہے یہ تو بہت اخیر زمانہ مین ہوا ہی اس سے پہلے اکثر اولوالعزم بادشاہ حملہ کرتے رہے ہین پھر جب اسلام کا زمانہ آیا، شمالی ہند کی قومین مسلمان ہوگئین تو ان مین جو بادشاہ صاحب قوت ہوئے وہ ہندوستان پر حملہ کرتے رہے یہ فعل اُن کا کچھ اُن کی فطری جوانمردی اور زیادہ اپنے پیشرو سلاطین کی تقلید مین تھا، جو اُن کے آباواجداد مین بھی تھی، چونکہ اکثر ان مین ترک تھے، اسلئے آج تک مسلمانون کو ترک کہا جاتا ہے، اگر کوئی نائی یا تیلی ذات کا ہندو مسلمان ہوتا ہے تو اُسکو دیہاتی ہندو اپنی زبان مین تورک نائی تورک تیلی کہتے ہین، اس کی وجہ یہی ہے کہ اکثر حملہ آور ترک ہی تھے، غرض میری یہ ہے کہ حملہ آور قومین کچھ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہندوستان پر حملہ نہین کرتی تھین، بلکہ اُن کا آبائی اور قومی طریقہ تھا، اگر مسلمان نہین ہوتین، تب بھی حملہ کیا کرتین، اس لئے یہ خیال کہ شمالی ہند کے لوگ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہندوستان پر چڑھائی کرتے رہے غلط ہے،

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ اسی وقت سے ہندوستان کے ساتھ تعلقات قائم ہوئے جن لوگون نے کم از کم سبعہ معلقہ بھی پڑھ لیا ہے اور اس مین امرأ القیس کا یہ مصرع نسیم الصبا جاءت بریا القرنفل

یا طرفہ کا یہ شعر

وظلم ذوی القربی اشد مضاضۃ

علی المرء من وقع الحسام المہند

یاد رکھا ہے وہ اس بات کو باور کرین گے کہ اسلام کے بہت پہلے ایام جاہلیت مین عرب اور ہندوستان کے درمیان سلسلۂ تجارت قائم تھا اور بہت فروغ پر تھا کعب بن زہیر نے جو مشہور قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین کہا تھا اس مین یہ مصرع بھی تھا مہند من سیوف الہند مسلول ہندوستان کی خوشبو چیزون گرم مسالون اور لوہے اور تلوار کی تعریف شعرای جاہلیت کے کلام مین بہت ہی؛ اس سے صاف ظاہر ہی کہ ان چیزون کی تجارت اہل عرب ہمیشہ سے کرتے تھے، اور ان کے تعلقات اہل ہند سے زمانہ دراز سے چلے آتے تھے، جناب علامہ سید سلیمان ندوی صاحب نے نہایت شرح وبسط سے اسکو بیان کیا ہے اسکو پڑھ کر جناب مصنف کی محنت دماغ سوزی اور جگر کاوی کی جوان کو اپنے استاذ علامہ شبلی مرحوم سے وراثۃً ملی ہے، بے اختیار داد دینی پڑتی ہے،

یہ کتاب پانچ بابون پر مرتب ہوئی، اور چار سو صفحون سے زائد پر ختم ہوئی ہے کل مضامین کی فہرست ۲۶ صفحون پر مرقوم ہے، مین مختصر طور پر ہر باب کے چند مضامین کے عنوانات ناظرین کے ملاحظہ کے لئے لکھتا ہون جس سے جناب مصنف کی مہارت، وسعت نظر، تبحر اس موضوع کے متعلق ظاہر ہوتا ہے؛ مین پہلے باب کے عنوانات کو ذرا تفصیل سے لکھتا ہون:-

پہلے باب کا عنوان "تعلقات کا آغاز اور ہندوستان کے عرب سیاح" ہے، یہ باب ۳۴ صفحون پر ختم ہوا ہے، اس کے تحت مین چھوٹے چھوٹے عنوان حسب ذیل ہین،

تعلقات کا آغاز، ہندوستان مسلمانون کا پدری وطن، ہندوستان کا بہشتی دریا، نور محمدی کا ظہور ہندوستان مین، عرب کا ہندوستان سے قدیم تعلق، عرب اور جنوبی ہندوستان، درۂ خیبر سے

مسلمانون کی آمد کا زمانہ، عرب تاجر اور ہندوستان، عربون کے بحری ہندوستانی رستے، فینیشین، عرب سے تھے، فینیشین اور ہندی خط، ہندی اعداد کی تحریر، تجارت مین عربی، عرب اور ہندوستان کا سیاسی تعلق، حالات صحابہ کے زمانہ مین، لفظ ہند، ہندوستان پر عربون کے حملے، حملے کے اسباب، ٹھاکر عربی تاریخ مین، سندھ پر عربون کا تسلط، سندھیون کی شکست کا راز، سندھ مین بودھون اور برہمنون کی خانہ جنگی، سندھ مین بودھ آباد تھے، ہندوستان کے عرب سیاح اور جغرافیہ نویس، ابن خردازبہ اور ہندوستان، ابن خردازبہ اور ہندوستانی شہر، ابن خردازبہ اور ہندوستانی شہر، سلیمان تاجر، سلیمان تاجر اور بحر ہند، ہندوستان کے چار راجہ، راجہ دلبھ رائے، طاقن کا راجہ، رہمے کا راجہ، ہندوستانی رسوم، ابو زید سیرافی، بحر ہند وچین، اور بحر روم کا اتصال، ہندوستان کے مذاہب، راجہ کے فدائی، بھکشو، دیوداسیان، تاریکون والا ملک، راجاؤن کے زیور، کھانے مین چھوت چھات، رانیان پردہ نہیں کرتین، ابو دلف مسعر بن مہلہل، اس کی کتاب ملیبار اور ملتان کا ذکر، بزرگ ابن شہریار ملاح، اس کے بحری سفر، ہندوستان کے بحری ڈاکو، اس کے بعض ہندی الفاظ، مسعودی، ہندوستان مین اسکی آمد، مروج الذہب اس کی تصنیف، ہندوستان کے پانچ دریا، قنوج (سندھ) تبت کا پہاڑ (ہمالیہ) ہندوستان کی بولیان، قندھار، راجپوتون کا ملک، کھمبائت (کاٹھیاوار) ملتان مین اسلامی حکومت، اصطخری، سندھ کا نقشہ، ابن حوقل، ہندوستان کی پہلی حد بندی، بشاری مقدسی، اس کی کتاب، البیرونی، اس کی کتابین، ابن بطوطہ، دوسرے مورخین اور جغرافیہ نویس، ایک کی تاریخ کی تکمیل،

دوسرے باب کا عنوان تجارتی تعلقات ہے، اس کے تحت مین چھوٹے چھوٹے پچپن عنوانات ہین، ہر ایک عنوان مفید معلومات کا خزانہ ہے جو صفحہ ۴۴ سے صفحہ ۹۰ تک مرقوم ہے، چند عنوان لکھ دئے جاتے ہین کہ ناظرین اس سے قیاس کرلین۔

عربون کی قدیم تجارت، یورپ و ایشیا کی تجارتی شاہراہ، یورپ و ایشیا کے درمیانی تاجر عرب،

یورپ و ہندوستان کے تجارتی راستے، سلطنت عرب ہو کر، عرب مین جہازرانی کے بعض ہندی الفاظ، ہندوستانی پیداوار و بیوپار، قرآن پاک مین تین ہندی نام، ہندوستانی بندرگاہون کی برآمد درآمد وغیرہ وغیرہ قابل دید ہین،

پھر تیسرا باب علمی تعلقات پر مبنی ہے، صفحہ ۹۱ سے صفحہ ۱۵۰ تک ہے، اناسی عنوانات ہین، ان مین اُن علماء کا کچھ حال ہے جنھون نے ہندوستان کے متعلق کچھ لکھا ہے، یا ہندوستان آئے ہین، جاحظ بصری، یعقوبی، ابن ندیم بغدادی، ابو ریحان بیرونی وغیرہ وغیرہ علماء کا بیان ہے، پھر عباسی وزراء برامکہ اور ہندوستان اور برامکہ کے متعلق تحقیقات ہے، نجوم و ہیئت و ہندسہ وغیرہ کا بیان ہے، اناسی عنوان ہین، اگر سب لکھے جائین باعث ملال طبع ناظرین ہوگا،

چوتھا باب مذہبی تحقیقات پر ہے، یہ صفحہ ۱۸۵ سے ۲۵۰ صفحہ تک پچانوے عنوانات پر مشتمل ہے چند عنوان لکھے جاتے ہین، عرب اور ترک و مغل فاتحون مین فرق، برہمنون کے حقوق و اعزاز، جزیہ اور اس کی مقدار، گجرات اور ملتان کے بتخانے، ہندو فرقون کا حال، جل بھگتی۔ اگنی ہوتری، رشی برہمن کا دھرم، مورتی پوجا عوام کا دھرم ہے، خواص ہندو موحد ہین، ہندوؤن کے عقائد، پیغمبر اسلام کا ایک ادب شناس راجہ، بودھ اسلاف کی اصل بودھ ہے، بودھ مورتی بغداد مین، سراندیپ مین حضرت آدم کا قدم، اس کے متعلق ہندو بودھ اور مسلمانون کے عقیدے، سراندیپ مین اس کے ذریعہ اسلام کا تعارف، ایک ہزار برس پہلے قرآن کا ہندی ترجمہ، راجہ پر قرآن پاک کا اثر، گجراتی راجہ کا مسلمانون کے ساتھ انصاف، ایک باغی راجہ کا مسجد کو منہدم کرنا، مسلمانون کا پھر اسکو بنانا، منصور حلاج ہندوستان مین، ہندوؤن مین وحدت تنزیہی وغیرہ وغیرہ،

پانچوین باب کا عنوان "ہندوستان مین مسلمان فتوحات سے پہلے" ہے، یہ باب صفحہ ۲۵۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۰۴ پر ختم ہوا، پہلے ماخذ جیسے چچ نامہ، تاریخ معصومی، تاریخ طاہری بیگ،

لارنامہ تحفۃ الکرام وغیرہ کتابوں کا حال لکھا ہے پھر قدیم ہند کی تاریخ اور یونانی فتوحات کی کھوج، ہند و راجہ اور افغان اسلام سے پہلے، افغانستان مین اسلام کا پہلا قدم، افغانستان مین اسلامی سلطنت کا قیام کارومنڈل مین ایک اسلامی ریاست، مسلمانون کا پہلا مرکز ہنرآندیب تھانہ (بمبئی) مین مسلمان راجہ کا اسلام، راجہ کا انصاف مسلمان تاجرون کے ساتھ، ایک نومسلم ہندو جہاز ران، ہنرمند (مسلمان قاضی ہند دریاستون مین) مسلمانون کو امتیازی حقوق، چیمور مین دس ہزار مسلمان وغیرہ وغیرہ یہ باب بہت وسیع اور قریبا تین سو کے عنوانات ہین، جن مین سے مشتے از خروارے چند عنوانات کے نمونے اوپر لکھے گئے۔ اگر ہرایک باب کی ہرایک سرخی عنوان کی لکھی جائے تو ۲۶ صفحے صرف عنوانات کے نذر ہو جائین گے، ناظرین کی آگاہی کے لئے اسقدر بھی کافی ہین، فہرست عنوانات کے بعد گجرات اور سندھ کا دنیا مین سب سے پہلا نقشہ ہے جسکو ابن حوقل بغدادی نے ۳۳۲ ہجری مین طیار کیا تھا جو عیسوی ۹۴۳ء سے مطابق ہوتا ہے، یہ نقشہ بہت قدیم ہے، مگر اس نقشہ مین جو نام مقامات کے لکھے ہین۔ ان کا صحیح طور پر دریافت کرنا بہت دشوار ہے، لیکن اس سے عربون کا عزم طوکانہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین ایک قوم جمعیت عرب کسقدر قوت ارادی اور عزم راسخ رکھتا تھا، بلاشبہہ یورپین قومین اسوقت جو جفاکشی جانبازی کا نمونہ دکھاتی ہین، اہل عرب اپنے اقبال کے زمانہ مین ان سے کم نہ تھے بلکہ اسوقت جو عام ہر طرح کی قوت اور قدرت یورپین اقوام کو حاصل ہے، اور جو آلات و ادوات ان کے پاس ہین وہ اُن کے پاس نہین تھے۔ ابومسلم خراسانی کا قول کیسا سچا ہے۔ اس سے کسی نے پوچھا اصلحہ اللہ الامیر من اشجع الناس اس نے جواب دیا "کل قوم فی اقبال دولتھم" جب عربون کا اقبال تھا تو وہ بھی اسی طرح اپنی لیاقت دکھاتے تھے، جس طرح آج کل یورپ کے لوگ بلکہ یورپ کی ایک جماعت قطب شمالی کی تحقیقات کو روانہ ہوتی ہے جہانتک ہمالیہ کی چوٹی پر چڑھنے کو جاتی ہے، ہر طرح کا سامان ساتھ رہتا ہے، بخلاف اس کے عرب بغیر کسی سامان کے فرداً واحداً ایسی ایسی پرصعوبت راہین طے کرتے تھے پھر نقشہ بھی تیار کرتے جاتے تھے،

جناب مصنف نے ان نامور علماء کے نام بھی لکھے ہین، جو ہندوستان مین علم سیکھنے کو آئے تھے یہان رہے علم یہان کا سیکھا پھر اپنے وطن کو واپس گئے، لیکن ایک نامور عالم ابومعشر بلخی کا نام نہیں لکھا، یہ نامور عالم اور منجم ہندوستان مین مدت دراز رہ کر واپس گیا، قاضی ابن خلکان نے اس کے سفر ہندوستان کا کچھ ذکر اپنی تاریخ مین نہین کیا ہے، مگر جناب امیر خسرو دہلوی نے اپنی مثنوی نہ سپہر مین اور علامی ابوالفضل نے آئین اکبری مین ابومعشر کے ہندوستان آنے کا ذکر کیا ہے، حضرت امیر خسرو کے چند اشعار لکھے جاتے ہین[1]،

نیست نہان آن کہ سوی ہند نگر
کرد ابومعشر دانندہ گزر،

آمد و دہ سال در آموخت سخن
در حد بنارسی آن شہر کہن،

پس فن تنجیم در آموخت چنان
کز حکما برد درین شیوہ عنان،

ہست یقین آن کہ درین علم کسے
نیست چو او تجربہ کردم بسے

اورقم خود کہ نمود ست ہمہ،
آن ز سیاہی ہنود ست ہمہ

حضرت امیر خسرو کی تحقیق کے مطابق علم تنجیم اس نامور منجم نے ہندوؤن سے سیکھا تھا، دس برس ہندوستان مین رہا، قاضی ابن خلکان نے ایک حکایت اس کی لکھی ہے، جس سے اسکا فوق الحد کمال معلوم ہوتا ہے، جس کی مثال ملنی مشکل ہے، ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہ حکایت قاضی ابن خلکان کی زبان سے لکھی جاتی ہے،

"وہ (ابومعشر) کسی بادشاہ کے دربار مین ملازم تھا۔ اس بادشاہ نے ایک شخص کو جو اُس کے نوکرون اور اکابر دولت مین سے تھا پکڑنا چاہا کہ اس کے جرم پر اس کی سزا کیجائے، وہ شخص پوشیدہ ہو گیا وہ جانتا تھا کہ ابومعشر اپنے اعمال نجومی کے زور سے بادشاہ کو اسکا پتا بتا دیگا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ایسی تدبیر

[1] رسالۃ الندوہ ماہ نومبر ۱۹۰۵ء مین علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے نہ سپہر سے اشعار نقل کئے ہین، مین نے اسی سے بقدر ضرورت چند شعر لیکر نقل کئے،

کردن کر ابومعشر بتانہ چلا سکے، اس نے ایک طشت لیا اوس مین خون بھرا اور خون کے اندر ایک ہاون
سونے کا رکھا اور اس ہاون پر کچھ دنون بیٹھا رہا، بادشاہ نے اس کے پکڑنے کی کوشش بہت کی جب اس کے پکڑنے
سے عاجز ہوا، تو ابومعشر کو بلا کر کہا کہ اس کی جگہ بتاؤ، ابومعشر نے اعمال کئے تو دیر تک خاموش متحیر رہا، بادشاہ نے
خاموشی اور حیرت کا سبب پوچھا تو کہا مین عجیب چیز دیکھتا ہون، بادشاہ نے پوچھا وہ کیا تو عرض کیا کہ مین
شخص مطلوب کو سونے کے پہاڑ پر اور پہاڑ کو خون کے دریا مین دیکھتا ہون، مین نہین جانتا کہ دنیا کے
کسی شہر مین کوئی ایسی جگہ ہو، بادشاہ نے پھر عمل کرنے کو کہا تو دوبارہ عمل کرنے پر بھی یہی بیان کیا اور کہا کہ
مجکو ایسا اتفاق کبھی نہین ہوا جب بادشاہ مایوس ہوا تو اس شخص مجرم کے لئے اور جس نے اسکو چھپایا ہو اس
کے لئے امان کی منادی کرائی اور اطمینان دلایا تو وہ حاضر ہوا، بادشاہ کے پوچھنے پر سب حال بیان کیا،
بادشاہ کو اس کے حیلہ اور ابومعشر کے کمال نے متعجب کر دیا، اس کے علاوہ ابومعشر کے بہت سے احکام
نجومی این جو مطابق واقعات کے ثابت ہوئے، اوس کی وفات دو سو بہتر سنہ ہجری مین واقع ہوئی،

(وفیات الاعیان لابن خلکان مطبوعہ مصر ص ۱۱۲)

مجملہ تحقیقات انیقہ کے جناب مصنف نے خاندان برامکہ کا تعلق ہندوستان سے ثابت کیا ہے اس
مضمون پر جملہ مورخین کے اقوال لکھکر پھر اپنی رائے محققانہ ظاہر کی ہے اگرچہ علامہ موصوف کے سوا کسی مورخ
نے برامکہ کو مجوسی کے سوا بودھ یا اور کسی قوم کا (سوائے ایک مورخ کے جس نے برامکہ کو عربی النسل ثابت
کرنے کی کوشش کی ہے) نہین لکھا ہے، یہان تک کہ قاضی ابن خلکان نے بھی (جو برامکہ کے خاندان کے طرف
منسوب این) برامکہ کو مجوسی اور نوبہار کو آتش کدہ لکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے شہرت عام کی بنا پر جو
مشہور تھا وہی لکھ دیا، اب اتنی مدت دراز کے بعد یہ ثابت ہوا کہ برامکہ ہندوستانی بودھ مذہب کے تھے، مولانا نے
مضمون پر اس کے متعلق خامہ فرسائی کی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ نوبہار آتش کدہ نہین تھا بودھ کی خانقاہ
یا معبد تھا، اس مین شک نہین کہ برامکہ کا ہندوستان سے قوی تعلق کا ثبوت اور کتابون سے بھی ظاہر ہوتا ہے

برامکہ کو ہندوستان سے گہری دلچسپی تھی، ان مین کا ایک حسین بن برمک بنو امیہ کے وقت مین اُن کے خوف کے
بھاگا تو ہندوستان پہنچا، یہان پہنچ کر اُس نے تاجرون کو عود مندلی کی تجارت کی ترغیب دی، پھر جب بنی عباس
کا زمانہ آیا تو وہ پھر اُن کے پاس پہنچا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کو وہ اپنا مامن و ملجا سمجھتا تھا
ورنہ اتنی دور بھاگ کر نہین آتا۔ اگر ہندوستان سے اسکو تعلق نہ ہوتا تو وہ ایران بھاگ جاتا، ایران
باعتبار ہندوستان کے نزدیک تھا وہان پہنچنا آسان تھا، چونکہ ایران کے کسی نہ کسی حصہ مین بغاوت پھوٹتی
رہتی تھی وہان ایک مجرم یا باغی کی گزر آسانی سے ہو سکتی تھی، مگر اسکو چھوڑ کر ہندوستان آنا صاف دلیل اس بات
کی ہے کہ ہندوستان کو وہ زیادہ محفوظ اپنے لیے سمجھتا تھا، صاحب صبح الاعشیٰ کی عبارت جو حسین بن برمک کے
بھاگنے اور پھر واپس جانے کے متعلق لکھا ہے یہ ہے، دخل الحسین بن برمک الی بلاد الھند ھارباً
من بنی امیہ ورای العود المندلی فاستجادہ ورغب التجار فی حملہ فلما غلب بنو العباس علی بنی
امیہ وحضر بنو برمک الیھم وقربوھم دخل الحسین ابن برمک یوماً علی المنصور الخ
(جلد ۲ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۰) اسی طرح تاریخ ابن خلکان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض برامکہ کی حکومت سندھ مین تیسری
صدی ہجری تک تھی (تاریخ ابن خلکان تذکرۂ جاحظ بصری مطبوعہ مصر) خاندان برامکہ کی تباہی و بربادی
جیسی ہوئی ظاہر ہے اوس کے بعد جو بچ رہے تھے، ان کا تعلق ہندوستان سے رہنا اور اتنے دور دراز
ملک سے آمد و رفت رکھنا صریح ثبوت برامکہ کے ہندوستانی ہونیکا سمجھنا چاہیئے۔

مولانا نے ایک لفظ ہندسہ کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ فارسی لفظ "اندازہ" کا معرب ہے جس کا عربی مین مصدری
استعمال ہندزہ اور ہندسہ ہے" اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "یہ اصل مین انجنیرنگ کے معنی مین ہے بعد کو متاخرین
کی غلطی سے فارسی اور اردو مین ہندسہ بولنے لگے، اور اس سے رقم مراد لینے لگے، ورنہ صحیح لفظ ہندسہ (زیر
کے ساتھ) نہین بلکہ ہندسہ (زبر کے ساتھ) ہے، اس لئے عربی مین مہندس انجنیر کو کہتے ہین حساب اور رقم جاننے
کو نہین، مجکو اس سے اختلاف ہے، مولانا نے مفاتیح العلوم محمد خوارزمی صفحہ ۲۰۲ کی سند دی ہے مین کہتا ہون

کہ ہندسہ کا مفرس انداز ہ کیون نہ قرار دیا جائے، سچی بات یہ ہے کہ دو زبان کے لفظون مین جو کم یا زیادہ اتحاد پایا جائے تو یہ نہین کہہ سکتے کہ پہلے سے پچھلا کون ہے، علی الخصوص وہ ذی علم لوگ جو دونون زبانون مین سے کسی ایک زبان سے ناواقف ہون، ہان ایسے حال مین حکم قطعی لگایا جا سکتا ہے جب یہ تحقیق ہوجائے کہ دونون زبانون مین کون زبان پہلے بنی اور تمدنی علم کس قوم مین پہلے آیا، لیکن فن تعمیر کے عالم کو ہندس کہنا سوا اسکا یہ سبب ہو سکتا ہے کہ فن تعمیر مین حساب کا جاننا ضروری ہے بغیر ناپ جوکھ کے تعمیر کا کام چل نہین سکتا، اس لئے فن تعمیر کے جاننے والے کو ہندس کہتے ہون تو عجب نہین، حضرت امیر خسرو دہلوی جن کا علوم عربیہ و فارسیہ کے سوا سنسکرت کا ماہر ہونا بھی مسلم ہے، وہ مثنوی نہ سپہر مین فرماتے ہین،

حجت چارم رقم ہندسہ بین،	کاہل جہان وضع ندید چنین،
ہم بہ یکے صفر کہ نقشیست تہی،	بین چہ رموزیست چو خطیش دہی
واضع این تختہ آسانام یکے	بود برہمن کہ درین نیست شکے
ہند آسا شد چو ازو نام عدد	ہندسہ تخفیف شد از اہل خرد
وضع وے از برہمن نادرہ بین	حکمت یونان شدہ محتاج برین

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آسا نام برہمن موجد ہے، وہ ہند کا رہنے والا تھا، ہند آسا سے ہندسہ ہوگیا ہے، بہر حال خوارزمی کی تحقیقات سے امیر خسرو کی تحقیقات اس بارے مین زیادہ مستند سمجھنا چاہیے،

اب یہ تبصرہ طویل الذیل ہوگیا، اسکو ختم کرتا ہون اور ناظرین کی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ اس زمانہ مین بعض برادران وطن یہ کہتے ہین کہ مسلمانون کو ہندوستان سے کچھ دلچسپی نہین ہے، وہ عرب و عراق کا خواب دیکھا کرتے ہین، اسی طرح وہ اہل علم جنکا علم نصاب کی کتابون تک محدود ہے، وہ بھی بعض وقت ایسی بات کہدیتے ہین کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کو اس عظمت و محبت کی نظر سے نہین دیکھتے، جس کا وہ مستحق ہے، اس سے برادران وطن کو کہنے کا موقع مل جاتا ہے، ایسے لوگون کو چاہیے اس کتاب کو غور سے پڑھین اور یقین کرین کہ عرب ہندوستان کو اپنا پدری ملک سمجھتے آئے ہین، ہمیشہ اس سے محبت کرتے تھے اور عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور کیونکر نہ دیکھتے جب کہ یہ ثابت ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور ہمین کی خاک پاک پر ظاہر ہوا، اُن کے فرزند گرامی حضرت شیث علیہ السلام کا ہندوستان مین رہنا ثابت ہے، جیسا کہ سبحۃ المرجان مین مرقوم ہے، مزار اُن کا اجودھیا مین (جو صوبہ اودھ مین ہی) ہونا مشہور ہے، بعض کتابون مین لکھا ہے کہ ایسی حالت مین ہر مسلمان کو ہندوستان سے محبت ہی ہونا چاہیے اور

والسلام علی من اتبع الھدیٰ، فقط

معارف، ہمارے مکرم جناب مولوی اعجاز حسن خان صاحب جو صوبہ بہار کے صاحب علم، صاحب قلم، صاحب ذوق سلیم، اور پچھلے شیوخ علم و دانش، اور اساتذۂ شعر و سخن کے صحبت یافتہ اور حضرت الاستاذ مرحوم کے مخصوص احباب مین ہین، موصوف نے "عرب و ہند" کی نسبت جس حسن ظن کا اظہار فرمایا ہے اوسکا شکریہ، یہ مضمون پچھلے ہفتہ آچکا تھا۔ مگر چونکہ مخدومنا نواب صدر یار جنگ مولانا شروانی کا تبصرہ زیر اشاعت تھا، اسلئے اسکو متاخر کرنا پڑا، ممدوح نے جن امور سے کسیقدر اختلاف کیا ہے، ان کے متعلق چند الفاظ کہنے ہین،

۱۔ ابو معشر بلخی کے ہندوستان آکر علم نجوم حاصل کرنے کی متاخر ہندی روایت میرے سامنے بھی تھی، مگر قدیم کتب تاریخ و اخبار مین جہان جہان ابو معشر کا تذکرہ ہے، مین نے بہت ڈھونڈا اس کی تائید ہاتھ نہ آئی اس لئے قصداً نظر انداز کرنا پڑا،

۲۔ لفظ ہندسہ کے متعلق حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا بیان تمام اہل لغت کے خلاف ہے،

"میری داستان حیات"

مترجمہ جناب خادم محی الدین صاحب بی اے، بی ٹی، ایم اے ڈی (لیڈز) انٹرمیڈیٹ گورنمنٹ کالج لائل پور، شائع کردہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور، حجم ۲۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی، کاغذ عمدہ، قیمت بلا جلد عہ/ اور مجلد عہ/

امریکا کا ایک مصنف مارک ٹوین کہتا ہے "انیسوین صدی کی سب سے دلچسپ ہستیان دو ہین، ایک نپولین اور دوسری ہیلن کیلر" حقیقت یہ ہے کہ ہیلن کیا صرف اسلئے دنیا مین آئی کہ ارباب بصیرت اس کی زندہ مثال سے تقدیر و تدبیر کے لاینحل مسئلہ کی عقدہ کشائی کر سکین، وہ امریکہ مین پیدا ہوئی۔ ابھی پانچ برس کی بھی نہین تھی کہ تپ دماغی مین مبتلا ہوئی اور قدرت نے اسے تین اہم قوائے زندگی سے جنھین مدار حیات کہا جاسکتا ہے، محروم کردیا، یعنی جب وہ بستر علالت سے اٹھی تو قوت بصارت، سماعت اور قوت گویائی سلب ہو چکی تھی، تقدیر کے اس فیصلہ کے بعد ناخن تدبیر مین حرکت ہوئی اور قوت لامسہ کی مدد سے اسکا تعلیمی سلسلہ شروع ہو گیا، پھر تقدیر نے اس حسن تدبیر کا اعتراف کیا، اور حصول تعلیم کی مساعی مین توفیق عطا کی، اور اپنی فیاضی سے سلب کی ہوئی قوت گویائی واپس کردی، پھر ہیلن کیلر نے تقدیر و تدبیر دونون کی ان توفیقون سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اندھی اور بہری ہونے کے باوجود اپنی مافوق الفطرۃ استعداد سے کام لیکر محض قوت لامسہ اور قوت گویائی کی مدد سے بالآخر کیمبرج یونیورسٹی کی اعلی تعلیمی سند عام سالانہ امتحان مین شریک ہو کر حاصل کی، اور پھر اپنے کمال علمی سے دنیا کے ممتاز افاضل مین داخل ہوئی، اور خصوصاً تصنیفی زندگی نمایان طور پر اختیار کی، چنانچہ زیر تبصرہ کتاب "میری داستان حیات" اسی کے **خود نوشت سوانح حیات** کے عبرت آموز مجموعہ کا اردو ترجمہ ہے، مسرت ہے کہ اردو مین یہ ایک لائق مترجم کے ہاتھون منتقل ہوئی ہے، اسلئے ترجمہ کے باوجود مصنف کی اصل تصنیف پڑھنے کا گویا لطف آتا ہے،

ہیلن اگرچہ نابینا ہے لیکن دل دانا و بینا رکھتی ہے، اس کے جذبات و احساسات ہم ظاہر بین نگاہون سے زیادہ تیز ہین، وہ فطرت و قدرت کی ایسی صحیح تصویر کھینچتی ہے جو ایک قلب حساس ہی کے مشاہدہ مین آسکتے ہین، اور اسی لئے ہیلن کو اپنے نابینا ہونے کا بھی غم نہین لیکن پھر بھی وہ اپنی محرومی قسمت سے سوز و گداز اور حسرت و یاس کی ایسی پیکر مجسم بن گئی ہے، کہ یہ اس کے خود نوشت سوانح حیات عبرت انگیزی و سبق آموزی کی بہترین مثال ہین اور پھر یون تو پوری کتاب اپنے پہلے با[ب]

[...]ی یعنی تیئیسوین باب تک حیرت و استعجاب کا ایک نادر نمونہ ہے،

کتاب کی ابتدا مین ۶۰ صفحون کا ایک مقدمہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج [...]ر کے قلم سے ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ غیر ضروری طور پر طویل ہو گیا ہے، ۲۳ صفحون تک تو خیر کہا جاسکتا ہے [...]ن کسی تعلق سے مصنفہ کے سوانح حیات پر ایک مفید تبصرہ ہے، لیکن اس کے بعد امریکہ کے تعلیمی رپورٹ [...]ر متعلق اعداد و شمار اور پھر انکا موازنہ ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کے تعلیمی اعداد و شمار سے کرنا [...]جگہ خواہ جسقدر بھی سود مند ثابت ہو، لیکن اس کتاب کے مقدمہ سے اس کو کوئی مناسبت نہین، [...]عداد و شمار ہی فراہم کرنے تھے، تو یورپ اور امریکہ مین اندھون، اور بہرون وغیرہ کے تعلیمی نظام [...] کے علمی و تعلیمی مساعی، ان کے طریقہ تعلیم، تعلیم کے بعد کی زندگی، اور ان کے سامان تفریح اخبار و رسائل [...] کا ذکر کرنا تھا، اور پھر اس سلسلہ مین ہندوستان مین ابتک جو کچھ ہوا، یا جو جو ضرورتین ہین، ان کی [...] اشارہ کیا جاسکتا تھا کہ ان مباحث کو اصل کتاب سے یک گونہ مناسبت ہوتی،

کتاب مین جا بجا ہیلن کیلر کے مختلف دور حیات کی مختلف تصویرین بھی منسلک ہین، ہمین [...]ہ کہ یہ کتاب اردو دان طبقہ مین قبولیت کی نظر سے دیکھی جائیگی،

"ر"

اسلامی قانون فوجداری

اس کتاب مین تعزیرات و جرائم کے متعلق اسلامی قانون فوجداری کی تمام دفعات کو آجکل کے قانونی تعزیرات [...] مین فقہ کی مستند کتابون کے حوالہ سے جمع کیا گیا ہے، ایک کالم مین اصل عربی عبارات اور دوسرے مین [...]ردو ترجمہ ہے، اسلامی قانون کے شائقین کے لئے عموماً اور قانون پیشہ اصحاب کے لئے خصوصاً، اس کتاب [...]ت سے، حیدرآباد دکن اور دوسری اسلامی ریاستون کے وکلاء کے لئے یہ نہایت مفید کتاب ہوگی،

[...]ت، ۳۶۱ صفحے:۔ قیمت للعہ

منیجر

مطبوعاتِ جدیدہ

طریق النجاۃ فی ترجمۃ المصابیح من المشکوٰۃ، ازجناب مولانا ابومحمد ابراہیم صاحب مرحوم،

شائع کردہ مولوی حافظ سید محمد ولی حیدر صاحب گہر کتبخانہ حیدری آرہ شاہ آباد بہار، جلد چہارم جلد اول ۴۴۰ص،

دوم ۴۴۰ص، سوم ۸۰ص، چہارم ۴۲۰ص، لکھائی چھپائی اچھی قیمت بہ ترتیب ۸، ۶، ۶، ۹ اور عہ

مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی مرحوم ہندوستان کے پچھلے دور کے ممتاز علماء میں تھے، اردو کی پرخوش نوید

کہ مولانا مرحوم نے عام علمائے ہند کی روش کے خلاف تصنیف وتالیف کی زبان اردو اور صاف ستھری ار

چنانچہ اسی سلسلہ مین زیرِ تبصرہ کتاب طریق النجاۃ بھی ہے، جو حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ کا صاف سادہ اور سلیس ترجمہ مع

یہ اگرچہ مشکوٰۃ کا ترجمہ ہے، لیکن مولانا نے اپنے ذوق سے جن حدیثون کو مجمل سمجھا، یا جو حدیثین بار بار آئیں

مین دیگر کتب صحاح سے مدد لیکر جابجا تعلیقات مین ان کی تشریح و توضیح بھی فرمائی ہے اس لحاظ ا

عام فہم سلیس اردو مین ترتیب فقہی کو ملحوظ رکھتے ہوے یہ غالباً احادیث کا سب سے بہتر مجموعہ ہے، کتاب نہ

صاف اور خوشخط چھپی ہے، لیکن افسوس ہے کہ کہین کہین کتابت کی فاحش غلطیان ہین، مثلاً جلد ۳ صفحہ ب

خرچی کے بجائے حربی چھپ گیا ہے،

گلشن گفتار، مصنفہ خواجہ خان حمید اورنگ آبادی، مرتبہ جناب سید محمد صاحب ایم اے شائع کردہ

مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت ۱۲

اردو شاعری کی تاریخ مین یہ عجیب اتفاق ہے کہ اردو شعراء کے تذکرے بالعموم بارھوین صدی

اواخر مین اس عہد کی تصنیفی زبان فارسی مین قلمبند ہوئے، اور ملک کے مختلف حصون مین مختلف

بیک وقت قلم اٹھایا، ابھی حال مین ایک جدید تذکرہ گلشن گفتار خواجہ خان حمید کا شائع ہوا ہے، اتفاق سے

اسکا سنہ تصنیف بھی وہی ۱۱۶۵ھ ہے جو میر تقی میر کی نکات الشعراء کی تصنیف کا سال خیال کیا جاتا ہے،

تذکرہ گلشن گفتار کا صرف ایک نسخہ مولوی علی رضا صاحب ماہر شیرازی لکچرار فارسی سٹی کالج حیدر آباد کا مملوکہ

تھا، اسی کی نقل جناب سید محمد صاحب نے تعلیق وتحشیہ کے ساتھ شائع کی ہے، مرتب کی تحقیق کے مطابق خواجہ

خان حمید، اورنگ آبادی ہے، اور اسی لئے گو یہ نہایت مختصر تذکرہ ہے، لیکن دکھنی کے چند ایسے شعراء اس

مین ملتے ہین، جن کے ذکر سے دوسرے تذکرے خالی ہین، علاوہ ازین قدیم شعرائے اردو کے ایسے مزید حالات

بھی قلمبند ہین، جو دوسرے تذکرون مین نہین ملتے، مرتب نے زیادہ سہولت کے لئے گلشن گفتار کے شعراء کے حالات

اردو کے دوسرے مطبوعہ و قلمی تذکرون سے اقتباس کر کے یکجا کر دئے ہین،

دکن کے نوجوان اہل قلم لائق صد شکریہ ہین کہ وہ اردو زبان کی قابل قدر خدمت انجام دے رہے ہین

لیکن ہمین معاف کیا جائے اگر عرض کرین کہ اسی کے ساتھ ایک خاص پہلو بھی نمایان ہوتا جاتا ہے، اور

یعنی دکنی وغیر دکنی کا سوال تحریرون مین جھلکنے لگا ہے، چنانچہ دکن کی عام مطبوعات کی طرح اس تذکرہ کا مقدمہ

بھی اس لحاظ سے خالی نہین، یہ مسلم کہ اردو دکن مین پیدا ہوئی اور اردو شاعری کا ابوالآبا، ولی دکھنی تھا،

لیکن یہی امور اگر اسی رنگ مین برابر پیش ہوتے رہے تو خطرہ ہے کہ آیندہ "دلی لکھنؤ" کی جگہ "دکن اور شمالی ہند" کا جھگڑا

اردو نے لکھنؤ و دلی کے جھگڑون مین کیا کم مصیبت اٹھائی ہے، کہ اب اس کے لئے ایک نئے فتنہ کا

سامان پیدا کیا جائے۔

دنیا کے بہترین افسانے:۔ مترجمہ جناب منصور احمد صاحب جوائنٹ اڈیٹر رسالہ

ہمایون لاہور، شائع کردہ اسلامک لٹریچر کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۱۳ لاہور، ضخامت ۲۳۰ صفحے، لکھائی چھپائی

اور کاغذ متوسط درجہ قیمت مجلد ۱۲ غیر مجلد عار

پنجاب کے مختصر افسانہ نویسون مین سے جناب منصور احمد صاحب جوائنٹ اڈیٹر ہمایون نے اپنے ذوق سے

دنیا کے بہترین افسانے یکجا کرنا چاہا، چنانچہ ۴۲۰ صفحون کے اس مجموعہ مین دنیا کے شاہکار افسانے یکجا کر لئے ہین، یہانتک کہ یوگوسلافاکیہ اور یوگوسلافیہ کے افسانے بھی اپنے جغرافی تقسیم کے لحاظ سے موجود ہین، اگر کمی ہے تو اسلامی مملکت ترکی اور ہمسایہ ملک افغانستان کے افسانون کی، مترجم نے عام روش کے برخلاف کوئی مقدمہ یا دیباچہ کتاب کے ساتھ منسلک نہین کیا کہ معلوم ہوتا کہ یہ کسی ایک صاحب قلم کے جمع کئے ہوئے افسانون کا مسلسل ترجمہ ہے یا مترجم نے ان افسانون کا انتخاب بھی خود ہی کیا ہے، اگر یہ انتخاب ذاتی ہے تو بلاشبہہ کہا جاسکتا ہے کہ نگہ انتخاب نے خوب خوب دامن بھرا ہے، کہ افسانے سلامت ذوق کے بہترین نمونہ کہے جاسکتے ہین، جن مین "مختصر افسانہ" کا پورا پورا لطف آتا ہے، زبان مین سلاست، روانی اور شیرینی ہے افسانونکی مجموعی تعداد ۳۳ ہے، اور بلا استثنا سب کے سب پڑھنے کے لائق ہین،

ادبستان مرتبہ جناب اختر شیرانی اڈیٹر رسالہ خیالستان، حجم ۲۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ/ اور مع خوبصورت سنہری جلد عکہ/ پتہ: جناب محمد نصیر صاحب ہمایون بی اے قومی کتبخانہ ریلوے روڈ لاہور،

یہ جناب خلیقی دہلوی کے مضامین کا مجموعہ ہے، جسکو جناب اختر شیرانی نے ایک مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ مرتب کیا ہے، جناب خلیقی دہلوی ملک کے روشناس ادیبون مین ہین، اون کے مضامین کو اردو زبان کے ادب لطیف کا ایک عمدہ نمونہ کہا جاسکتا ہے، جو لوگ اس طرز انشا کا ذوق رکھتے ہین، وہ ان مضامین مین دیکھین گے کہ چند چھوٹے چھوٹے ہلکے اور سبک جملون مین کیسے نازک و لطیف اشارات پائے جاتے ہین اس مجموعہ کی ابتدا مین جناب مرتب اختر شیرانی کا ایک طویل مقدمہ یا تبصرہ ۳۶ صفحون مین ہے پھر خلیقی صاحب کے مضامین ہین جن کی مجموعی تعداد ۲۹ ہے، کتاب مین جابجا مضامین کی مناسبت سے تصویرین بھی ہین،

"ر"